# نیا زمانہ

جبران خلیل جبران

حبیب اشعر

ناشران
تاجران
آئینۂ ادب
چوک مینار
انار کلی
لاہور

# نیا زمانہ

نقّاش : جبرانِ خلیل جبران

عکّاس : حبیب اشعر

آئینۂ ادب - چوک مینار، انار کلی - لاہور

اچھی کتاب

کا

نکھار ہمیشہ

قائم

رہتا ہے!

بار اوّل

تعداد : ۱۱۰۰

۱۹۶۸ء

قیمت : ڈھائی روپے

اہتمام

م، ع، سلام آئینۂ ادب
چوک مینار، انارکلی لاہور

(اشرف پریس لاہور میں چھپی)

حکیم محمد نبی خاں جمال سویدا کے نام

# فہرست

# حرفِ اوّل

"نیا زمانہ" جبرانؔ کی کسی مستقل تصنیف کا نہیں، ان متفرق مضامین کا ترجمہ ہے، جو عربی نظم و نثر کے مختلف مجموعوں میں بکھرے پڑے تھے۔ اور مجھے اب تک اُنہیں اُردو میں منتقل کرنے کا موقع نہ مِلا تھا۔ یہ اب بھی نہیں کہا جا سکتا کہ زیرِ نظر مجموعہ جبرانؔ کی نثری تخلیقات کے ترجمے کو مکمل کرتا ہے۔ کچھ نہ کچھ چیزیں ضرور رہ گئی ہوں گی۔ لیکن وہ دُو چار سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کے متعلق ارادہ یہ ہے کہ اگر دستیاب ہو گئیں،

تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر دی جائیں گی۔ فی الحال تو
جو کچھ میسّر ہے، اسی پر اکتفا فرمایئے!

حبیب اشعر
۲۷ فروری ۱۹۶۸ء

# نیا زمانہ

آج مشرق میں دو فکریں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی ہیں۔ قدیم فکر اور جدید فکر، لیکن قدیم فکر ایک نہ ایک دن مغلوب ہو کر رہے گی۔ اس لئے کہ اس کی قوتیں ناکارہ ہیں اور اس کا ارادہ بے جان۔

آج مشرق میں بیداری نیند سے آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔ اور بیداری ظفر مند ہے۔ اس لئے کہ سورج اس کا سپہ سالار ہے اور صبح اس کی فوج۔

مشرق کے کھیتوں میں ——— اور مشرق کل تک ایک نہایت وسیع و عالی شان عمارت تھا ——— آج نوجوانِ بہار کھڑا قبروں میں

سونے والوں کو پکار رہا ہے کہ اُٹھیں اور زمانے کے ساتھ چلیں، اور جب بہار نغمہ زن ہوتی ہے، تو جاڑے کا مارا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اپنے کفن اتار کر چل پڑتا ہے۔

مشرق کی فضا میں زندہ لہریں ہیں، جو اُبھرتی ہیں، بڑھتی ہیں، پھیلتی ہیں اور بیدار و حسّاس روحوں کو ہاتھ بڑھا کر اپنے سے چمٹا لیتی ہیں۔ غیور و باشعور دلوں کو اپنانے کے لئے ان کے گرد حلقہ کر لیتی ہیں

آج مشرق کے دو سربراہ ہیں۔ ایک وہ، جس کا حکم چلتا ہے۔ اور جس کی اطاعت و فرماں برداری کی جاتی ہے۔ لیکن وہ بوڑھا ہے، اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ اور دوسرا وہ، جس میں نظم و قانون کا سکوت ہے اور حق و راستی کا سکون۔ لیکن وہ تنومند اور قوی بازو ہے، جو اپنے ارادے کو جانتا ہے۔ جو اپنے وجود پر یقین اور اپنی صلاحیت پر ایمان رکھتا ہے۔

. . .

آج مشرق میں دو مرد پائے جاتے ہیں: "مردِ دیروزہ" اور "مردِ فردا"!

پھر بتا، اے مشرقی! تو ان دونوں میں سے کون سا مرد ہے؟

ہاں! ذرا میرے قریب آ! کہ میں تجھے غور سے دیکھوں۔ تیرا اچھی طرح جائزہ لوں۔ اور تیرے خدوخال اور سراپا سے ٹھیک ٹھیک معلوم کروں کہ تو روشنی کی طرف آنے والوں میں ہے، یا تاریکی کی طرف جانے والوں میں؟

آ، اور مجھے بتا کہ تو کیا ہے؟ اور کون ہے؟

کیا سیاست داں ہے، جو دل ہی دل میں کہتا ہے:

"میں اپنی قوم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں"

یا وہ غیور و بے باک، جو اپنے دل سے سرگوشی کرتا ہے:

"میری انتہائی خواہش ہے کہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچاؤں"

اگر تو پہلا ہے، تو ایک طفیلی پودا ہے اور دوسرا ہے، تو صحرا میں ایک نخلستان ہے۔

کیا تو سوداگر ہے، جو دوسروں کی محتاجی کو اپنی نفع اندوزی کا ذریعہ بناتا ہے۔ اور ضرورت کی چیزیں ذخیرہ کرتا ہے، تاکہ آنے کی خریدی ہوئی چیز روپے میں فروخت کرسکے؟

یا محنت وجاں فشانی سے کام کرنے والا ایجنٹ ہے، جو کسان
اور جلاہے کے درمیان لین دین میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اور راغب
و مرغوب کے درمیان کڑی بن کر انہیں بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور خود بھی اُن
سے حق و انصاف کے ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے؟

اگر تو پہلا ہے، تو مجرم ہے، چاہے کوٹھیوں میں رہتا ہو یا قید خانوں
میں۔ اور دوسرا ہے، تو محسن ہے، چاہے لوگ تیرے شکر گزار ہوں یا
تجھے جھٹلائیں۔

کیا تو مذہبی پیشوا ہے، جو لوگوں کی سادگی سے اپنے جسم کے لئے
قبائے شرف بُنتا ہے۔ اور ان کی سادہ دلی سے اپنے سر کے لئے
تاجِ عظمت بناتا ہے۔ دعویٰ تو کرتا ہے، شیطان سے نفرت و کراہت
کا۔ اور پلتا ہے اس کی خیرات کے ٹکڑوں پر؟

یا وہ نیکوکار و پرہیزگار ہے، جو فرد کی فضیلت کو قوم کی ترقی کی
بنیاد سمجھتا ہے، اور اس کی روح کے اسرار کی تلاش و تحقیق میں ایک
سیڑھی پاتا ہے، جو روحِ عام تک پہنچتی ہے؟

اگر تو پہلا ہے، تو کافر و ملحد ہے، چاہے دن کو روزہ رکھے یا

بات کو نمازیں پڑھے۔۔ اور اگر دوسرا ہے، تو فردوسِ حق کا گلِ یاسمن ہے جس کی خوشبوئیں سُونگھنے سنگھانے میں ضائع ہو جائے یا آزادانہ اور بے روک ٹوک اپھیرے کے غلاف میں پہنچ جائے، جہاں انفاسِ گُل محفوظ کئے جاتے ہیں۔

کیا تو صحافی ہے، جو اوّل اوّل اپنی فکر کو نخاسوں کے بازار میں بیچنا شروع کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے کاروبار کو بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔ یہاں تک کہ سوسائٹی کے لئے آفات و مصائب کی خبریں فراہم کرنا ہی اس کا کام رہ جاتا ہے، اس بھوکے گدھ کی طرح جو ہمیشہ سڑی ہوئی لاش ہی پہ گرتا ہے؟

یا تہذیب و مدنیّت کے کسی منبر پہ کھڑا ہوا معلّم ہے، جو زمانے کے واقعات سے کام کی باتیں اخذ کرتا ہے۔ اور اُنہیں دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے خود ان سے نصیحت اندوز ہوتا ہے؟

اگر تو پہلا ہے، تو پھوڑے پھنسیاں اور زخم ہے۔ اور دوسرا ہے، تو دوا اور مرہم ہے۔

کیا تو حاکم ہے، جو اپنے افسر کے سامنے ذلّت و حقارت کا پُتلا

بن جاتا ہے اور اپنے ماتحتوں کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہمیشہ ان کی جیبوں پر ڈاکا ڈالنے کے لیئے بڑھتے ہیں اور اس کے پاؤں ہمیشہ ان سے کوئی غرض پوری کرنے کے لیئے اُٹھتے ہیں۔

یا ایمان دار خادم، جو قومی معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ قوم کی صلاح و فلاح کے لیئے راتوں کو جاگتا ہے اور اُسے فائز المرام کرنے کے لیئے دوڑ دھوپ کرتا ہے؟

اگر تو پہلا ہے، تو قوم کے کھلیانوں کا گھُن ہے۔ اور دوسرا ہے تو سرکاری اناج خانے کی برکت ہے۔

کیا تو شوہر ہے، جو اپنے اوپر مباح کی ہوئی چیزوں کو اپنی بیوی پر حرام رکھتا ہے۔ خود اینڈتا اور گلچھرے اُڑاتا پھرتا ہے، اور بیوی کے قید خانے کی کُنجی اس کے ازار بند میں بندھی ہوتی ہے۔ خود من بھاتی چیزیں، بدہضمی کی حد تک، ٹھونستا ہے۔ اور بیوی خالی رکابی کے سامنے بیٹھی اپنی قسمت کو روتی ہے؟

یا رفیقِ حیات ہے، جو جہاں کہیں جاتا ہے، بیوی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ بیوی کی رائے اور مرضی کے بغیر کوئی

کام نہیں کرتا اور جس کی ہر کامیابی و کامرانی کی مسرتوں اور عظمتوں میں بیوی برابر کی شریک ہوتی ہے ؟

اگر تو پہلا ہے، تو فنا شدہ قبائل کے باقیات میں سے ہے، جن کا مسکن غار ہیں اور جن کا لباس کھالیں۔ اور دوسرا ہے، تو اس قوم کے ہراول میں ہے، جو صبح کے ساتھ انصاف اور سلامتی رائے کے نصف النہار کی طرف جا رہی ہے۔

کیا تو تحقیق پیشہ مصنّف ہے، جو اپنے دماغ کا بچا کھچا بوجھ ہمارے سروں پہ لادتا ہے۔ وہ عہدِ عتیق کے غار میں رینگتا ہے، جہاں نسلیں اپنے پھٹے پرانے کپڑے ڈالتی ہیں، اور جو چیزیں ان کے کام کی نہیں رہتیں، اس میں پھینک دیتی ہیں ؟

یا ایک نکھری ہوئی فکر ہے، جو اپنے گرد و پیش کی چھان بین کرتی ہے، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون سی چیز نفع بخش ہے اور کون سی مضرت رساں۔ اور پھر اپنی ساری عمر نفع بخش چیزوں کی تعمیر اور مضرت رساں چیزوں کی تخریب میں صرف کر دیتی ہے ؟

اگر تو پہلا ہے، تو مٹی ہوئی بے عقلی اور زہر کار کنندہ ذہنی

ہے۔ اور دوسرا ہے تو بھوکوں کے لئے روٹی ہے اور پیاسوں کے لئے پانی۔

کیا تو شاعر ہے، جو مال داروں کی ڈیوڑھیوں پہ طنبورہ بجاتا ہے اور شادی کی محفلوں میں پھول نچھاور کرتا ہے۔ اپنے دونوں جبڑوں میں نیم گرم پانی سے بھرے ہوئے اسفنج کے ٹکڑے دبا کر جنازوں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور قبرستان میں پہنچ کر ان اسفنج کے ٹکڑوں کو اپنی زبان اور ہونٹوں سے دباتا ہے؟

یا وہ فطری فن کار ہے، جسے بارگاہِ اُلوہیت سے اسے ایک سارنگی عطا کی گئی ہے۔ اس سارنگی سے وہ آسمانی نغمے پیدا کرتا ہے، جو ہمارے دلوں کو کھینچتے ہیں اور ہمیں زندگی اور اس کے جمال و جلال کے سامنے حیرت و مرعوبیت کی تصویر بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں؟

اگر تو پہلا ہے، تو ان مسخروں میں سے ہے، جن کی حرکتوں کا اثر ہم پہ اُلٹا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب وہ روتے ہیں، تو ہمیں بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ اور جب وہ خوش ہوتے ہیں، تو ہمارا دل غم سے بوجھل ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا ہے، تو ہماری بینائی

کے پسِ پردہ ایک روشن بصیرت، ہمارے دلوں کا ایک جذبۂ شیریں اور ہماری نیندوں کا ایک ربانی خواب ہے۔

• • •

میں کہتا ہوں، مشرق میں دو جلوس رواں ہیں۔ ایک خمیدہ کمر بوڑھوں کا جلوس، جو اپنی ٹیڑھی بڑنگی لاٹھیوں کے سہارے چل رہے ہیں اور مارے کم زوری کے ہانپے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اوپر سے نیچے کی طرف آرہے ہیں۔

اور دوسرا نوجوانوں کا جلوس، جو اس طرح دوڑ رہے ہیں، گویا ان کے پاؤں میں پر لگے ہیں۔ اور اس طرح تانیں اڑا رہے ہیں، گویا ان کے گلوں میں بتیاں ہیں۔ وہ پہاڑوں کے اردگرد کی گھاٹیوں سے ایک قوت اور ایک جادو چھین رہے ہیں —— قوت، جو انہیں کھینچتی ہے۔ اور جادو، جو ان کے دلوں کو رجھاتا ہے۔

پھر بتا، اے مشرقی! تو ان دونوں میں سے کون سے جلوس کے ساتھ چل رہا ہے؟

ہاں! اپنے دل سے پوچھ! اور رات کی خاموشی میں، جب

وہ اپنے ماحول کے نشے میں مست نہ ہو: اس سے جواب لے، کہ
تُو دیروزہ کے غلاموں میں سے ہے، یا فرداکے آزادوں میں سے؟

میں تجھ سے کہتا ہوں کہ دیروزہ کے بیٹے اس عہد کے جنازے
کے ساتھ چلتے ہیں، جس نے انہیں اور جس کو انہوں نے پیدا
کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، وہ اس ڈوری کو بٹ رہے ہیں، جس کے
دھاگے زمانے نے بوسیدہ کر دئے ہیں۔ جب بھی یہ ڈوری
ٹوٹے گی ــــ اور وہ اب ٹوٹنے ہی والی ہے ــــ تو جو کوئی
اس ڈوری سے لٹکا ہوگا، وہ نسیان و فراموشی کے گڑھے میں
جا پڑے گا۔

میں کہتا ہوں، وہ ایسے مکانوں میں رہتے ہیں، جن کے
ستون گرنے کو ہیں۔ جب بھی زور کی ہوا چلے گی ــــ اور وہ اب
چلنے ہی والی ہے ــــ تو یہ مکان ان کے سروں پہ آ رہیں گے۔
اور ان کے لئے قبریں بن جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: ان کے افکار و اقوال اور ان کے مسائل و

مباحث، ان کی تصانیف اور ان کے دواوین، غرض ان کے تمام کوائف اُن زنجیروں کے سوا کچھ نہیں، جو اپنے بوجھ سے اُنہیں گھسیٹتی ہیں۔ اور وہ اپنی کمزوری کی بنا پر اُنہیں نہیں گھسیٹ سکتے۔

رہے فردا کے بیٹے، سو یہ وہ لوگ ہیں جنہیں زندگی پکارتی ہے تو وہ ثابت قدمی اور سرافرازی کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ وہ عہدِ جدید کی صبحِ صادق ہیں۔ اس لئے کوئی دُھواں ان کی روشنی کو نہیں چھپاتا۔ زنجیروں کی کوئی جھنکار ان کی آواز کو نہیں دباتی اور جوہڑوں کی کوئی بدبُو ان کی خوش بُو پر غالب نہیں آتی۔

وہ کثیر التعداد گروہوں کے درمیان ایک قلیل التعداد گروہ ہے لیکن پھولوں کی شاخ میں وہ کچھ ہے، جو خشک جنگل میں نہیں۔ اور گیہوں کے دانے میں وہ کچھ ہے، جو مٹی کے انبار میں نہیں۔

وہ ایک نامعلوم گروہ ہے۔ لیکن اس گروہ کے افراد ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اور بلند چوٹیوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی آواز سُنتے اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس کے برعکس گڑھے اندھے ہیں، جو نہیں دیکھتے

بہرے ہیں، جو نہیں سُنتے۔

فرد اس کے یہ بیٹے ایک گٹھلی ہیں، جسے اللہ نے اپنے کھیت میں ڈالا اس گٹھلی کا چھلکا اس کے مغز کی قوت اور ارادے سے پھٹا اور ایک سرسبز پودا بن کر سورج کے سامنے لہلہانے لگا۔ وہ ابھی اور نمو پائے گا۔ اور ایک بڑا درخت بن جائے گا، جس کی جڑیں زمین کے سینے میں پھیلیں گی اور شاخیں فضا کی بلندیوں میں تیریں گی۔

# پھول

میں فطرت کی زبان سے نکلا ہوا ایک کلمہ ہوں، جسے واپس بے کر، وہ اپنے دل میں چھپا لیتی ہے۔ اور پھر ادا کرتی ہے۔

میں چرخِ نیلی فام سے فرشِ زمردیں پر گرا ہوا ایک ستارہ ہوں۔

میں عناصر کا جگر گوشہ ہوں، جسے جاڑے نے اپنے پیٹ میں رکھا۔ بہار نے جنم دیا۔ گرمی نے پروان چڑھایا، اور خزاں نے تھپکیاں دے کر، سُلایا۔

میں عاشقوں کا ہدیۂ نیاز ہوں،

میں شادی کا تاج ہوں،

میں زندوں کی طرف سے، مردوں کے لئے، آخری عطیہ ہوں۔
صبح کے وقت، میں اور نسیم سحر، روشنی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔
ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔
اور شام کو میں اسے رخصت کرنے میں پرندوں کا ساتھ دیتا ہوں۔
میں میدانوں میں لہلہا کر، اُنہیں سجاتا ہوں، ہوا میں سانس لے کر،
اسے مہکاتا ہوں۔
میں نیند سے ہم کنار ہوتا ہوں، تو رات کی بہت سی آنکھیں
مجھے تکتی ہیں۔
اور بیداری کو میں، دن کی ایک آنکھ سے، تلاش کرتا ہوں۔
میں شبنم کی شراب پیتا ہوں۔
کوئلوں کے نغمے سنتا ہوں۔
اور سبزے کی تال پر رقص کرتا ہوں۔
روشنی سے آنکھیں چار کرنے کے لئے، میں ہمیشہ اُوپر کی طرف
نظر رکھتا ہوں۔ اپنے سائے کو نہیں دیکھتا۔
اور یہ وہ نکتہ ہے، جو انسان نے نہیں سیکھا۔

# عالم اور شاعر

سانپ نے چنڈول سے کہا :

"کتنی حسین ہے تمہاری پرواز، اے چنڈول ! لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم، زمین پر، بلوں اور گھونسلوں میں رینگ سکتے۔ جہاں زندگی کا رس، سکون و سکوت میں، ہلکورے کھاتا ہے۔"

چنڈول نے جواب دیا :

"بخدا! تمہارا علم بہت وسیع اور گہرا ہے۔ بلکہ تم مخلوقات میں سب سے زیادہ سوجھ بوجھ والے ہو۔ لیکن کیا ہی اچھا ہوتا، اگر تم اُڑ سکتے۔"

سانپ نے سُنی ان سُنی کرتے ہوئے کہا:

"مجھے تم پر ترس آتا ہے، اے چینڈول! کہ تم، میری طرح گہرائیوں کے بھید نہیں پا سکتے۔ نہ مملکتوں کے زیرِ زمین خزانوں میں چل پھر کے اُن کے اسرار و نوادر دیکھ سکتے ہو۔ لیکن میں تمہیں اس پر ملامت نہیں کرتا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ میں یاقوتِ سرخ کی ایک کان میں سستا رہا تھا، جو بالکل قندھاری انار معلوم ہوتی تھی، اور ایک چھوٹی سی کرن اُسے نورانی گلاب میں بدل دیتی تھی۔ پھر بتاؤ! میرے سوا اس دنیا میں کون ہے، جسے اس طرح کی انوکھی اور نایاب چیزیں دیکھنے کی نعمت عطا کی گئی ہو؟"

چینڈول نے کہا:

"ارے حکمت پناہ! تم نے بڑی دانائی کی بات کہی۔ واقعی تمہارے سوا کوئی ان چیزوں کا کھوج نہیں لگا سکتا، جنہیں برس ہا برس کی یادوں اور قرن ہا قرن کے آثار نے تاب ناکی بخشی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تم گا نہیں سکتے۔"

سانپ بولا:

"میں ایک ایسے درخت کو جانتا ہوں، جس کی جڑیں زمین کے سینے میں پیوست ہیں۔ اگر کوئی اس درخت کی جڑ کھالے تو عشرت سے

زیادہ حسین اور دل فریب ہو جائے۔"

چنڈول نے کہا:

"کوئی نہیں! یہ سعادت صرف تمھی کو بخشی گئی ہے کہ زمین پر طلسمی فکر کا جو پردہ پڑا ہے، اس کا غم کھاتے رہو۔ لیکن افسوس کہ تم اُڑ نہیں سکتے۔"

سانپ بولا:

"میں ایک ارغوانی ندی کو جانتا ہوں، جو ایک بڑے پہاڑ کے دامن میں بہتی ہے۔ اگر کوئی اس ندی کا پانی پی لے، تو دیوتاؤں کی طرح غیر فانی ہو جائے۔ پرندوں اور جانوروں میں میرے سوا اس ندی پر جانا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔"

چنڈول نے جواب میں کہا:

"بخدا! بالکل درست ہے۔ ایک تمھی ہو کہ چاہو، تو دیوتاؤں کی طرح غیر فانی ہو سکتے ہو۔ لیکن افسوس کہ تم گا نہیں سکتے۔"

سانپ نے کہا:

"میں زمین میں گڑے دبے ایک ایسے ہیکل کو جانتا ہوں جس تک کوئی کھوجی اور کوئی زمین کی تہوں میں گھسنے والا اب تک نہیں پہنچا۔ میں پہلے

میں ایک بار اس کی زیارت کو جاتا ہوں۔ وہ بیتے زمانے کی نہایت عالی شان عمارتوں میں سے ہے۔ اس کی دیواروں پہ زمان و مکان کے تمام اسرار منقش ہیں۔ اگر کوئی ان اسرار کو پڑھ اور سمجھ لے تو عقل و علم میں دیوتاؤں کا ہم سر ہو جائے۔"

چنڈول نے جواب دیا:

"ہاں! اے قابلِ احترام دانش ور! اگر تم چاہو، تو اپنے نرم اور لچکیلے جسم سے تمام زمانوں کے اسرار منکشف کر سکتے ہو لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

اب سانپ اس کی باتوں سے بیزار ہو گیا۔ پھنکاریں مارتا ہوا وہ اپنے بل کی طرف مڑا اور اپنے دل میں کہنے لگا:

"کھوکھلے دماغ کے گیتوں کو خدا غارت کرے!"

لیکن چنڈول اُڑ گیا۔ وہ اُونچے سروں میں گا گا کر کہہ رہا تھا:

"افسوس! کہ تم گاتے نہیں۔

"افسوس، صد افسوس، اے میرے دانش ور! کہ تم اڑتے نہیں۔"

# اقدار

ایک شخص اپنے کھیت میں کھدائی کر رہا تھا کہ اُسے سنگِ مرمر کی ایک نہایت حسین اور نظر فریب مُورتی ملی۔ وہ اسے لے کر ایک ایسے شخص کے پاس گیا، جو پرانی چیزوں کا دل و جان سے عاشق تھا۔ اس نے ایک خطیر رقم دے کر وہ مورتی خرید لی، اور وہ دونوں اپنی اپنی راہ چلے گئے۔

بیچنے والا، گھر جاتے ہوئے، اپنے دل میں کہہ رہا تھا:

"کتنی جان، اور کتنی زندگی ہے اس دولت میں! سچ مچ مجھے بڑی حیرت ہے کہ ایک عقل مند انسان، اتنی بڑی رقم، ایک گونگے اور بے جان پتھر کے ٹکڑے کے عوض، کیسے دے سکتا ہے؟ جو ہزاروں برس سے

زمین میں دبا پڑا ہو، جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا ہو۔"

اور عین اسی لمحے خریدنے والا مورتی کو غور سے دیکھتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں کہتا جاتا تھا:

"کتنا مقدّس ہے وہ حسن، جو تجھ میں ہے! اور کتنی مبارک ہے وہ زندگی، جو تیرے وجود میں شعلہ زن ہے!! تُو زمین کی خامشی میں کسی اعلیٰ اور برگزیدہ روح کا خواب ہے۔ خدا کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان ایسی لطیف، ایسی نادر اور ایسی بے بہا چیز کو، بے جان اور زائل ہو جانے والی دولت کے بدلے، کیسے فروخت کر سکتا ہے؟"

# غزالی

غزالی اور سینٹ آگسٹینس کے درمیان ایک ذہنی رابطہ ہے۔
زمانے اور ماحول کے مذہبی و اجتماعی اختلافات کے باوجود، یہ دونوں ایک ہی اصل کے دو ملتے جُلتے عکس ہیں۔ اس اصل سے میری مراد باطن کا وہ فطری میلان ہے، جو اپنے حامل کو، بتدریج، محسوسات اور ان کے ظہور سے، فلسفہ و معقولات اور اس کے بعد الٰہیات تک لے جاتا ہے۔

غزالی نے دنیا اور اس کی راحت و منزلت کو ٹھکرا کر اپنے لئے تصوّف کا گوشۂ عزلت پسند کیا۔ اس نے اپنے تئیں ان باریک رشتوں کی جستجو میں گُم کر دیا، جو علم کے آخری سِروں کو مذہب کے ابتدائی سِروں سے ملاتے

ہیں۔ اور اپنے شب و روز اس مخفی ظرف کی تحقیق و تلاش کے لئے وقف کر دئے، جس میں انسان کے حواس اور تجربات، لوگوں کے جذبوں اور خوابوں سے گھُل مل جاتے ہیں۔

اور یہی کچھ آگسٹینس نے غزالی سے پانچ صدی پہلے کیا۔ چنانچہ جو کوئی اس کی کتاب "اعتراف" پڑھے گا، وہ دیکھے گا کہ اس نے زمین اور اس کے موجودات کو سیڑھی بنایا ہے، جس پر چڑھ کر وہ وجودِ اعلیٰ کے ضمیر کی طرف جا رہا ہے۔

تاہم میں نے سینٹ آگسٹینس کے مقابلے میں غزالی کو اشیاء کی اصل و حقیقت اور ان کی باریکیوں سے قریب تر پایا ہے۔ اس کا سبب ان دونوں کی وراثتوں کا باہمی فرق ہے ——— غزالی کی وراثت وہ عربی اور یونانی علمی نظریات ہیں، جو اس کے عہد سے پہلے رواج پا چکے تھے۔ اور سینٹ آگسٹینس کی وراثت وہ لاہوتی علم ہے، جو دوسری اور تیسری صدی مسیحی میں خداوندانِ کلیسا کے شوق و شغف کا مرکز و محور تھا۔

یہاں وراثت سے میرا مطلب وہ چیز ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ، ایک فکر سے دوسری فکر میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح بعض جسمانی

خصائص، زمانے کے ساتھ ساتھ، قومی مظاہر سے مماثلت اختیار کرتے رہتے ہیں۔

میں نے غزالی میں ایک خاص بات پائی ہے، جو اسے ایک سنہری کڑی بناتی ہے۔ اور یہ سنہری کڑی غزالی سے پہلے کے ہندی سادھوؤں کو غزالی کے بعد آنے والے علمائے الٰہیات سے ملاتی ہے۔ چنانچہ جو کچھ غزالی کے ظہور سے بہت پہلے بدھوں نے سوچا، وہ غزالی کے میلانات کا ایک رُخ ہے۔ اور جو کچھ غزالی کے بعد اسپینوزا اور ولیم بلاک نے لکھا، وہ غزالی کے جذبات کا ایک پہلو ہے۔

مغرب کے مستشرقین اور علمار کے نزدیک غزالی کا پایہ بہت بلند ہے۔ وہ اسے ابنِ سینا اور ابنِ رشد کے ساتھ مشرقی فلاسفہ کی صفِ اوّل میں رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں جو روحانیت پرست ہیں۔ وہ غزالی کو، اسلامی افکار کی تاریخ میں، نہایت پاکیزہ اور بلند فکر قرار دیتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ میں نے فلورنسا (اطالیہ) کے ایک کلیسا کی دیواروں پر، جو پندرھویں صدی مسیحی کی عمارتوں میں سے ہے، غزالی کی تصویر اُن فلسفیوں، پادریوں اور لاہوتیوں کی تصویروں کے ساتھ دیکھی۔ جنہیں ازمنۂ وسطیٰ کے خداوندانِ کلیسا روحِ مطلق کے ہیکل کے ستون قرار دیتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ اہلِ مغرب غزالی کے متعلق ہم مشرق والوں سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ وہ غزالی کے سوانح لکھتے ہیں۔ اس کی تعلیمات کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس کے فلسفیانہ مباحث اور صوفیانہ مقاصد پہ گہری نظر ڈالتے ہیں۔ لیکن ہم —— جو آج بھی عربی زبان بولتے اور لکھتے ہیں، غزالی کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ اس کی بات بہت کم ہماری زبان پہ آتی ہے۔ ہم ابھی تک سیپیوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ گویا سیپیاں ہی وہ سب کچھ ہیں، جو زندگی کے سمندر سے شب و روز کے ساحلوں پہ نکال جاتا ہے۔

# آخری بیداری

آخرِ شب کی گہری تاریکی میں، جب صبح کے انفاسِ تازہ سے مہکتی نسیم محوِ خرام تھی، پیش رَو اُٹھا —— اور وہ ناشنیدہ آواز کی بازگشت ہے!

اپنی خواب گاہ سے نکل کر وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ رات کے سکون و سکوت میں خوابیدہ شہر کو دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد، اس نے اپنا سر اُٹھایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن بیدار سونے والوں کی روحیں اس کے گرد جمع ہو گئی ہیں۔ اُس نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور ان سے اس طرح مخاطب ہوا:

”میرے بھائیو اور پڑوسیو! اور اے وہ لوگو! جو روزانہ میرے دروازے کے قریب سے گزرتے ہو، میں تمہاری نیند میں تم سے سرگوشیاں کرنی چاہتا ہوں۔ تمہارے خوابوں کی دنیا میں آزاد و عریاں پھرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ تمہاری بیداری کی ساعتیں تمہاری نیند سے زیادہ غفلت کوش اور تمہارے چیخ و پکار سے بوجھل کان بہرے پتھر ہیں۔

میں نے تمہیں بہت —— اور بہت سے بھی بڑھ کے چاہا

میں نے تمہارے ایک فرد سے اس طرح محبت کی، گویا تُم سب سے محبت کرتا ہوں،

اور تم سب کو اس طرح چاہا، گویا تمہارے ایک فرد کو چاہتا ہوں۔

اپنے دل کے موسم بہار میں، میں تمہارے باغوں میں چہچہاتا تھا۔

اور اپنے دل کے موسم گرما میں، میں تمہارے خرمنوں کی رکھوالی کرتا تھا۔

”ہاں! میں نے تم سب سے محبت کی، تمہارے زور آور دل

سے بھی اور تمہارے شکستہ حالوں سے بھی۔
تمہارے کوڑھیوں سے بھی اور تمہارے تن درستوں سے بھی!
میں نے اس سے بھی محبّت کی، جو اپنا راستہ تاریکی میں تلاش
کرتا ہے۔
اسی طرح، جیسے اس شخص سے محبت کی، جس کے دن پہاڑیوں
اور ٹیلوں پہ اُچھلتے کودتے گزرتے ہیں۔
"اے طاقت ور! میں نے تجھ سے محبّت کی۔ اگرچہ تیرے فولادی سُم
ابھی تک میرے گوشت میں پیوست ہیں۔
"اور اے کم زور! میں نے تجھے بھی چاہا۔ حال آں کہ تو نے میرے
ایمان کی جڑیں خشک کر دیں، اور میرا صبر مجھ سے چھین لیا۔
"اے مال دار! میں نے تجھ سے محبّت کی۔ درآں حالے کہ تیرا شہد
میرے حلق میں، اندرائن کی طرح، تلخ تھا۔
"اور اے محتاج! میں نے تجھے بھی چاہا۔ باوجودیکہ تو میرے ننگ و عار
اور میری تہی دستی کو جانتا تھا۔
"میں نے تجھ سے محبّت کی اور لطف و کرم کے ساتھ محبّت کی،

اے روائتی شاعر! جو اوندھے سیدھے ہاتھ مارنے کے لئے اپنے پڑوسی کی سارنگی مانگے کو لیتا ہے۔

"اور میں نے تجھے بھی چاہا، اے عالم! جس نے اپنی ساری عمر، کمہار کی کڑکھائی زمین سے پھٹے پرانے کفن سمیٹنے میں بسر کردی۔

"میں نے تجھ سے محبت کی، اے کاہن! جو اپنے دیروز کے آغوشِ سکون میں بیٹھا میری منزلِ فردا کے متعلق پوچھ رہا ہے۔

"اور میں نے تجھے بھی چاہا، اے عابد! جو اپنی تمنّاؤں کی پرچھائیوں کا بُت بنا کر اُسے پوجتا ہے۔

"اے پیاسی عورت، جس کا پیالہ ہمیشہ بھرا رہتا ہے۔ میں نے تجھ سے محبت کی۔ اس لئے کہ میں نے تیرا راز پالیا۔

"اور اے آنکھوں میں اپنی راتیں کاٹنے والی عورت! میں نے تجھ پر ترس کھاتے ہوئے، تجھے بھی چاہا۔

"میں نے تجھ سے محبت کی، اے بکواسی! اپنے دل میں یہ کہتے ہوئے کہ "زندگی کو ابھی بہت کچھ کہنا ہے۔"

"اور میں نے تجھے بھی چاہا، اے گونگے! اپنے دل میں یہ کہتے

ہوئے کہ "کیا ہی اچھا ہو۔ اگر میں کوئی ایسی گفتار سنوں، جو اس کی خاموشی کی ترجمانی کرے۔"

"اے قاضی! اور اے ناقد! میں نے تم دونوں سے محبّت کی لیکن تم نے مجھے سُولی پر چڑھے دیکھ کر کہا: کتنا اچھا معلوم ہو رہا ہے، خون اس کی رگوں سے بہتا ہوا۔ اور کتنے حسین ہیں وہ نقش و نگار، جو بہتے ہوئے خون سے اس کی سفید چمکیلی جلد پر بن رہے ہیں۔"

"ہاں! میں نے تم سب سے محبت کی، تمہارے جوان سے بھی اور تمہارے بوڑھے سے بھی۔

"میں نے تمہارے بید لرزاں کو بھی اسی طرح چاہا، جس طرح تمہارے مضبوط اور تن آور شاہ بلوط کو۔"

"لیکن وا اسفا! کہ میرے دل نے جو تمہاری محبت سے چھلک رہا تھا تمہارے دلوں کو مجھ سے پھیر دیا۔ اس لئے کہ تم محبّت کی شراب، چھوٹے سے پیالے سے، چُسکی لگا لگا کر، تو پی سکتے ہو، لیکن متلاطم دریا سے اس کا پینا تمہارے امکان سے باہر ہے۔

"تم محبّت کی آواز سُن سکتے ہو، جب وہ خوش دلی کے ساتھ

تم سے سرگوشیاں کرے۔

"لیکن جب محبت خوشی سے بے آپے ہو کر نعرہ لگاتی ہے، تو تم اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہو۔

"جب تم نے دیکھا کہ میں تم سب سے یکساں محبت کرتا ہوں، تو تم نے یہ کہہ کر میرا مذاق اڑایا کہ" کتنی آسان ہے، اس کے دل کی فرماں برداری۔ اور کتنی دور ہے، ذہانت و ذکاوت اس کی راہوں سے۔ اس کی یہ محبت ایک بھوکے بھکاری کی محبت ہے: جو شاہی دسترخوان پر بھی بھورے ہی چنتا رہتا ہے۔ بلکہ وہ ایک کم زور و حقیر کی محبت ہے۔ اس لیئے کہ طاقت ور، طاقت وروں کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا"

"اور جب تم نے دیکھا کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں تو کہا کہ" اس کی یہ محبت ایک اندھے کی محبت ہے، جو ایک کی خوب صورتی اور دوسرے کی بد صورتی میں امتیاز نہیں کرتا۔ بلکہ یہ ایک بے ذوق کی محبت ہے، جو سرکہ بھی اس طرح پیتا ہے، گویا شراب پی رہا ہو، بلکہ یہ ایک" دخل در معقولاتی"

اور "پانچویں سوار" کی محبت ہے، اس لئے کہ کوئی اجنبی ہم سے اس طرح محبت کیسے کر سکتا ہے، جیسے ہمارے ماں باپ اور بہن بھائی ہم سے محبت کرتے ہیں۔"

"یہ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں تم نے کہیں۔ شہر کے بازاروں اور میدانوں میں تم مسلسل مجھ پر اُنگلیاں اٹھاتے اور میرے متعلق، استہزائی لہجے میں، ایک دوسرے سے کہتے رہے: "تمہیں خدا کی قسم! ذرا اس چھوکرے بوڑھے، کو دیکھنا، جو موسموں اور ماہ و سال سے بے پروا ہے۔ یہ دوپہر کو ہمارے بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے، اور شام کو ہمارے بوڑھوں میں بیٹھ کر حکمت بگھارتا ہے۔"

"لیکن میں اپنے دل میں کہتا تھا: "کوئی حرج نہیں! میں ان سے محبت کروں گا، اور زیادہ سے زیادہ محبت کروں گا۔ لیکن اپنی محبت پر بغض و عداوت کا پردہ ڈال لوں گا۔ اپنے جذبۂ شوق کو شدید کراہت کے پردے میں چھپالوں گا۔ میں ایک آہنی بُرقع اوڑھ لوں گا اور مسلح ہو کر، زرہ بکتر پہن کر، ان کے پیچھے

دوڑوں گا۔"

"اس کے بعد میں نے تمہاری شکستہ ہڈیوں اور زخموں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا۔ اور تمہارے کانوں میں کڑکا۔ جس طرح رات کو آندھی چنگھاڑتی ہے۔

"میں نے چھتوں پر کھڑے ہو کر، خواص کے سامنے تمہیں ریاکار منافق اور فریبی مشہور کیا۔ تمہیں کھوکھلی اور جھوٹی سرزمین کے بلبلوں سے تشبیہہ دی۔

"میں نے تمہارے کوتاہ نظروں پہ لعنت بھیجی، جس طرح اندھی چمگادڑوں پہ لعنت بھیجی جاتی ہے۔

"تم میں سے جو زمین اور ادنیٰ خواہشوں سے چمٹے ہوئے ہیں، اُنہیں میں نے بے جان کیچھوندروں کے مماثل قرار دیا۔

لیکن جو فصاحت و بلاغت کے سورما ہیں، اُنہیں "پراگندہ زبان" کا لقب دیا۔ جو ساکن و صامت ہے، اُسے "سنگیں دل" اور "گرخت لب" کہہ کر پکارا، اور جو سیدھا سادا ہے، اس پہ یہ فقرہ چست کیا کہ "مُردے موت سے کبھی نہیں اکتاتے۔"

"تم میں اور تمہاری اولاد میں، جو 'معرفتِ انسانی' کے پیچھے بھاگتے ہیں، ان کے خلاف وہ فیصلہ دیا، جو روح القدس کے باغیوں کے خلاف دیا جاتا ہے۔

"اسی طرح تم میں جو لوگ عالمِ ارواح اور ما بعد الطبعیات کے رسیا ہیں، اُنہیں سائے کے شکاریوں کی صف میں رکھا، جو ٹھہرے ہوئے پانی میں جال ڈالتے ہیں۔ لیکن اپنی بے وقوف پرچھائیوں کے سوا کچھ ان کے ہاتھ میں نہیں آتا۔

"میری زبان نے تمہیں اس طرح کچو کے دیئے۔ لیکن میرا خون چکاں دل تمہیں بڑے نرم و شیریں ناموں سے پکارتا رہا۔

ہاں! اے ساتھیو، اور پڑوسیو! جس محبت نے تم سے خطاب کیا، وہ اپنے ہی کوڑوں سے لہولہان تھی۔

"اور جو غرور تمہارے سامنے ناچا، وہ اپنی ہی ناکامی کے غبار میں لپٹا ہوا تھا۔ اپنے ہی غم و الم کا بسمل تھا۔

"یہ تمہاری محبت کے لئے میری پیاس تھی، جو چھتوں پہ ہیجان میں آتی تھی۔

”رہی میری اپنی محبت، سو وہ، مہربلب، دوزانو ہو کہ تم سے معافی چاہ رہی تھی۔

”لیکن لوگو! یہ معجزہ دیکھو!

”میرے بہروپ نے تمہاری آنکھیں کھول دیں اور میری نفرت نے تمہارے دلوں کو جگا دیا۔

”اور اب تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔

”تم صرف ان تلواروں سے محبت کرتے ہو، جو تمہارے دلوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ صرف ان تیروں کو چاہتے ہو، جو تمہارے سینے چھیدتے ہیں۔

”اس لئے کہ اپنے زخموں کے سوا، اور کسی چیز سے تمہاری تشفّی نہیں ہوتی۔ اپنے خون کی شراب کے سوا، کسی اور نشے سے تم مطمئن نہیں ہوتے۔

”جس طرح پتنگے اپنی موت کے پیچھے دوڑتے ہوئے، شمع کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح تم روزانہ میرے باغ میں جمع ہوتے ہو۔ اٹھے چہروں اور تکتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہو اور میں تمہاری زندگی کا تار و پود بکھیرتا

ہوتا ہوں ۔ اس وقت تم چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہتے ہو:

"اس کی آنکھوں میں خدا کا نور، اور اس کے کلام میں گزشتہ پیغمبروں کے کلام کی سی تاثیر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہماری روحوں سے پردہ ہٹا دیتا ہے، اور ہمارے دلوں کے قفل کھول دیتا ہے ۔ یہ ہماری چالوں سے واقف ہے، جس طرح عقاب لومڑیوں کی چالوں کو جانتا ہے۔"

"ہاں! میں حقیقتاً تمہارے طور طریق سے واقف ہوں۔ لیکن اس طرح جیسے عقاب اپنے بچوں کے طور طریق جانتا ہے ۔ دل مسرت کے ساتھ میں نے تم پر اپنا بھید کھول دیا ۔ لیکن میں تمہارے قرب کا حاجت مند ہوں۔ اس لئے بظاہر تم سے سنگ دلی کا برتاؤ کرتا ہوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری محبت میرے دل سے مٹ نہ جائے ۔ اس لئے میں اپنی محبت کی فصیلوں پر پہرا دیتا ہوں۔"

یہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد پیش رَو نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ اس نے اپنے دل میں محسوس کیا کہ حقیر محبت، اپنے اعلیٰ روپ میں، اس محبت سے کہیں بہتر و برتر ہے جو اپنی ظفر مندی و کامیابی کے لئے مختلف بہروپ بھرتی ہے ۔ اور اُسے

اپنے آپ سے شرم محسوس ہونے لگی۔

اس کے بعد دفعتہً اس نے اپنا سر اٹھایا۔ گویا کسی گہری نیند سے جاگ اٹھا ہے۔ اس نے اپنے بازو پھیلائے اور کہا:

"وہ دیکھو! رات جا رہی ہے اور ہم کہ رات کی اولاد ہیں، جب صبح پہاڑیوں سے ٹیک لگاتی آئے گی، مر جائیں گے اور ہماری راکھ سے ایک محبت جنم لے گی، جو ہماری محبت سے زیادہ طاقت ور ہوگی، وہ سورج کی روشنی میں قہقہے لگائے گی ——— اور غیر فانی ہوگی!

# پیش رَو

تو خود اپنا پیش رَو ہے، اے دوست!

اور یہ قلعے، جو تو نے اپنی زندگی میں بنائے ہیں، تیرے قد

اور وجود کی اساس ہیں اور بس!

اور تیرا یہ وجود بھی، آگے چل کر، ایک دوسرے وجود کی اساس

بن جائے گا۔

تیری طرح میں بھی خود اپنا پیش رَو ہوں۔

اس لئے کہ میرا یہ سایہ، جو طلوعِ آفتاب کے وقت میرے سامنے

پھیلا ہوا ہے، دوپہر کو میرے قدموں تلے سمٹ آئے گا۔

پھر اس طلوع کے پیچھے پیچھے جو دوسرا طلوع آئے گا وہ پھر میرا
سایہ میرے سامنے پھیلا دے گا۔

لیکن خود یہ سایہ بھی، دوسری دوپہر کو، اسی طرح میرے
قدموں میں سمٹ آئے گا۔

ازل سے ہم اپنے پیش رَو آپ ہیں۔
اور ابد تک ہم اپنے پیش رَو آپ رہیں گے۔

جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے۔ اور جو کچھ ہم اپنی زندگی میں جمع
کرتے ہیں۔

صرف وہ بیج ہیں، جنہیں ہم کھیتوں کے لئے تیار کرتے ہیں
اُن کھیتوں کے لئے، جو اب تک نہیں بوئے گئے۔

ہم خود ہی کھیت ہیں اور خود ہی کسان۔
خود ہی پھل ہیں اور خود ہی پھل پانے والے۔

اے دوست!

جب تو کہر میں سرگرداں ایک فکر تھا۔
تیری طرح، میں بھی وہیں ایک سرگرداں فکر تھا۔

میں نے تجھے تلاش کیا، اور تُو نے مجھے!
ہم دونوں کی لگن نے خوابوں کو جنم دیا۔
اور خواب
ایک زمانہ ہیں ——— قیود سے آزاد
ایک فضا ہیں ——— حدُود سے بے نیاز!

جب تو زندگی کے پھڑپھڑاتے ہونٹوں پر ایک خاموش کلمہ تھا۔
تیری طرح، میں بھی وہیں ایک خاموش کلمہ تھا۔
پھر جب زندگی نے ہمیں اپنی زبان سے ادا کیا، ہم عرصۂ ہستی میں نمودار ہو گئے۔
اور ہم دونوں کے دل، ماضی کی یادوں اور مستقبل کے شوق میں دھڑکنے لگے۔

ماضی موت ہے، اس لئے کہ مطرود ہے۔
اور مستقبل پیدائش ہے، اس لئے کہ مقصود ہے۔

اور اب ہم اللہ کے ہاتھوں میں ہیں،
تو، نور افشاں سورج، اس کے دائیں ہاتھ میں

اور میں، نُور اندوز زمین، اس کے بائیں ہاتھ میں،
لیکن تیری نور افشانی کی قوت، میری نور اندوزی کی قوت
سے برتر نہیں ہے۔
اور ہم ——— سورج اور زمین، ایک بڑے سورج اور بڑی
زمین کا آغاز ہیں
اور ابد تک آغاز ہی رہیں گے۔
تُو اپنا پیش رَو خود ہے، اے میرے باغ کے دروازے کے
قریب سے گزرنے والے اجنبی!
اور میں بھی، تیری طرح، اپنا پیش رَو خود ہوں۔
اگرچہ میں اپنے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھا ہوں، اور بظاہر
پُرسکون و خاموش نظر آتا ہوں۔

# زندگی

زندگی، وحدت و انفرادیت کے سمندر کا ایک جزیرہ ہے!

زندگی ایک جزیرہ ہے۔ آرزوئیں اس کی چٹانیں، خواب اس کے درخت اور پیاس اس کے چشمے ہیں۔ اور وہ وحدت و انفرادیت کے سمندر کے بیچوں بیچ واقع ہے۔

میرے بھائی! تیری زندگی، تمام جزیروں اور تمام ملکوں سے الگ، ایک جزیرہ ہے۔ تو نے بھی اپنی کشتیاں اور جہاز دوسرے ساحلوں کی طرف بھیجے۔ اور دوسروں کے جنگی جہاز اور بیڑے بھی تیرے ساحلوں پر پہنچے۔ پس تو ایک جزیرہ ہے ـــــ اپنے غموں

کی بنا پہ منفرد اور اپنی خوشیوں کی بنا پہ یکتا۔ اپنے شوق کی بنا پہ دور و دراز اور اپنے اسرار و رموز کی بنا پہ نامعلوم!

میرے بھائی! میں نے تجھے اپنی دولت پہ مسرور اور اپنی تونگری پہ مغرور، سونے کے ایک ڈھیر پہ بیٹھے دیکھا، اس نشے میں مست کہ ہر مٹھی بھر ناروپود میں ایک "مخفی تار" ہے، جو لوگوں کی فکر کو تیری فکر اور ان کے میلانات کو تیرے میلانات سے مربوط کرتا ہے۔ ایک عظیم المرتبت فاتح کی مثال تو یہ سمجھ رہا تھا کہ اپنے "زرد لشکر" کو لے کر مضبوط و مستحکم قلعوں پہ دھاوا بول رہا ہے۔ اور انہیں مسمار کر رہا ہے۔ نہایت طاقتور اور ناقابلِ فتح ملکوں پہ چڑھائی کر رہا ہے، اور ان پہ قبضہ جما رہا ہے۔

لیکن جب میری تجھ پہ دوبارہ نظر پڑی، تو میں نے تیرے خزانوں کی دیواروں کے پیچھے ایک دل دیکھا، جو اپنی وحدت و تنہائی میں دھڑک رہا تھا، اس پیاسے پرندے کی طرح، جو ایک مرصّع طلائی پنجرے میں بند ہو۔ لیکن اس پنجرے میں پانی کے نام

ایک پوند بھی نہ ہو۔

میرے بھائی! میں نے تجھے عرشِ عظمت پہ یوں براجمان دیکھا کہ لوگ تیرے چاروں طرف کھڑے، تیرے نام کی مالا جپ رہے ہیں، تیری خوبیوں کے گُن گا رہے ہیں۔ تیری بخشیش گنوا رہے ہیں۔ تجھ پر اس طرح نظریں گاڑے ہوئے ہیں، گویا کسی پیغمبر کے حضور میں ہیں، جو اپنی روحانی قوت کے زور سے اُنہیں آسمان پرلے جا کر نجوم و کواکب کی سیر کرا رہا ہے۔ اور تو اپنے چہرے پر مسرت و قوت، اور غلبہ و اقتدار کی چمک لئے، اُنہیں دیکھ رہا ہے۔ گویا تجھے ان میں وہ مقام حاصل ہے، جو مقام جسم میں روح کو حاصل ہے۔

لیکن جب میں نے تجھ پہ دوبارہ نگاہ کی، تو دیکھا کہ تیری تنہا ذات، اپنی غربت پہ دردناک اور اپنی تنہائی پہ دل گیر، اپنے تخت کے ایک طرف کھڑی ہے۔ پھر وہ مجھے ہر طرف ہاتھ بڑھاتی نظر آئی، گویا نادیدہ پرچھائیوں سے عطا و عطوفت کی بھیک مانگ رہی ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کے سروں سے گزر کر

ایک ایسے دور و دراز مقام کو تک رہی ہے، جو اپنی وحدت و انفرادیت کے سوا، ہر چیز سے خالی ہے۔

میرے بھائی! میں نے تجھے ایک حسین عورت کی محبت میں یوں سرشار دیکھا کہ تو اس کی مانگ میں اپنے پگھلے ہوئے دل کا سیندور بھر رہا ہے اور اس کے ہاتھوں میں اپنے خونِ دل سے مہندی لگا رہا ہے، وہ بھی تیری طرف دیکھ رہی ہے۔ التفات کی شعاعیں اس کی آنکھوں میں ہیں، اور مادرانہ حلاوت اس کے لبوں پہ۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا "محبت نے اس کی تنہائی کو زائل کر دیا ہے، اس کی انفرادیت کو مٹا دیا ہے، اور یہ پلٹ کر پھر اسی ہمہ گیر روح سے جا ملا ہے جو ہر اس چیز کو محبت سے اپنی طرف کھینچتا ہے، جسے آسائش و فراغت نے اس سے جدا کر دیا تھا۔

لیکن جب میری نظر تجھ پہ دوبارہ پڑی، تو میں نے تیرے محبت سے سرشار دل پہ ایک تنہا دل دیکھا، جو اپنے بھید عورت کے سر پہ نچھاور کرنے چاہتا تھا اور نہیں کر سکتا تھا، تیری

محبت سے پگھلی ہوئی، روح کے پیچھے، تنہا اور گھر سے مشابہ، ایک اور روح نظر آئی، جو تیری محبوبہ کی مٹھیوں میں آنسوؤں کے قطرے بن جانے کے لئے بے چین تھی۔ لیکن نہیں بن سکتی تھی۔

• • •

تیری زندگی، ایک گھر ہے۔ میرے بھائی! تمام گھروں اور بستیوں سے الگ تھلگ!

تیری معنوی زندگی ایک گھر ہے، ان ظواہر و مظاہر کے راستوں سے الگ، جنہیں لوگ تیرے نام سے پکارتے ہیں۔ اگر یہ گھر تاریک ہو، تو کسی رشتے دار کے چراغ سے تو اسے روشن نہیں کر سکتا۔ اور خالی ہو، تو اپنے ہمسائے کی خیرات سے تو اسے بھر نہیں سکتا۔ اگر یہ گھر جنگل میں ہو، تو اسے کسی ایسے باغ میں منتقل کرنا، تیرے امکان سے باہر ہے، جسے کسی اور نے لگایا ہو، اور پہاڑ کی چوٹی پر ہو، تو اسے کسی ایسی وادی میں اتارلانا تیرے بس میں نہیں، جسے کسی اور کے قدموں نے پامال کیا ہو۔

میرے بھائی! تیری ذہنی زندگی وحدت و انفرادیت سے گھری

ہوئی ہے ۔ اگر یہ وحدت وانفرادیت نہ ہوتی، تو نہ تُو" تُو" ہوتا،
نہ میں" میں" ہوتا۔ ہاں! اگر یہ وحدت اور یہ انفرادیت نہ ہوتی، تو
میں تیری آواز سُن کر یہ سمجھتا کہ میں بول رہا ہوں ۔ تیرا چہرہ دیکھ
کر یہ گمان کرتا کہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔

# بہلول

بہت دنوں کی بات ہے، ایک شخص جنگل سے ایک بہت بڑے شہر میں آیا، جہاں قانون کی عمل داری تھی۔ وہ ایک سیدھا سادا اور خیال پرست انسان تھا۔ اس لئے لوگ اسے "بہلول" کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے پاس سوائے تن کے کپڑوں اور ایک لاٹھی کے اور کچھ نہ تھا۔

وہ سڑکوں پر سرگشت کر رہا تھا۔ شہر کی عبادت گاہوں، میناروں اور عالی شان عمارتوں کو متحیّر و مرعوب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کہ وہ شہر انتہائی حسین اور بارونق تھا۔

اس نے شہر اور اس کی انوکھی چیزوں کے متعلق بار بار راہ چلتوں سے پوچھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کی زبان سے ناواقف تھے، جس طرح وہ ان میں سے کسی کی زبان نہ سمجھتا تھا۔

دوپہر کے وقت وہ ایک عالی شان ہوٹل کے سامنے پہنچا۔ اور وہیں رُک گیا۔ ہوٹل فنِّ تعمیر اور پختگی کا اعلیٰ نمونہ تھا اور لوگ اس میں بغیر کسی روک ٹوک کے آجا رہے تھے۔

بہلول نے اپنے دل میں کہا:

"یقیناً یہ کوئی مقدّس مزار ہے۔"

اور اندر جانے والوں کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔

وہ حیرت کا پتلا بن کر رہ گیا۔ جب اس نے اپنے تئیں ایک بہت بڑے ہال میں پایا۔ وہاں اونچے طبقے کے لوگ —— عورتیں اور مرد —— خوب صورت میزوں کے گرد بیٹھے کھا پی رہے تھے، اور آرکسٹرا کے دل پذیر نغمے فضا میں گونج رہے تھے۔

بہلول نے یہ سب کچھ دیکھ کر اپنے دل میں کہا:

"میں نے غلط سمجھا۔ یہ مقدّس مزار نہیں، کوئی شان دار دعوت

ہے، جو بادشاہ نے اپنے متعلقین و متوسلین کو دی ہے۔"

اسی لمحے ایک شخص اس کے قریب آیا، جسے اُس نے بادشاہ کا غلام سمجھا۔ آنے والے نے نہایت ادب سے اس سے بیٹھنے کی درخواست کی، اور وہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی میز انتہائی پُر تکلف اور لذیذ کھانوں سے سجا دی گئی۔ جن میں طرح طرح کے گوشت تھے، مشروب تھے اور شیرینیاں تھیں، اور اس نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد وہ اُٹھا اور باہر جانے کے ارادے سے چلا۔ لیکن ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ ایک موٹے تازے خوش لباس شخص نے آکر اُسے ٹھہرا لیا۔

بہلول نے اپنے دل میں کہا:

"یقیناً بادشاہ یہی ہے۔"

اور فوراً اس کے سامنے جُھک گیا۔ بڑے ادب و احترام سے کورنش بجا لایا اور اپنے قبیلے کی زبان میں اس کا شکریہ ادا کیا۔

موٹے تازے آدمی نے اپنی زبان میں اس سے کہا:

"جناب! آپ نے لنچ کی قیمت ادا نہیں کی۔"

بہلول کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ لیکن اس نے نہایت صمیمِ قلب سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اب موٹے تازے شخص نے اُسے غور سے دیکھا اور سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد سمجھ گیا کہ وہ اس شہر کا رہنے والا نہیں ہے۔ بہلول کے پھٹے پرانے کپڑوں نے اسے بتا دیا کہ وہ فقیر و محتاج ہے۔ لنچ کی قیمت ادا کرنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں۔ اس نے تالی بجائی اور اسی وقت پولیس کے چار سپاہی آموجود ہوئے۔ سارا واقعہ سننے کے بعد انہوں نے بہلول گرفتار کر لیا۔ دو سپاہی اس کے دائیں ہاتھ ہو گئے اور دو بائیں ہاتھ اور اس کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ لیکن بہلول ان کی زرکار وردیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا:

"یقیناً یہ شہر کے بڑے لوگ ہیں۔"

چلتے چلتے یہ لوگ کچہری پہنچے اور جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے، تو بہلول نے دیکھا کہ وسیع و عریض کمرے کے

وسط میں ایک تخت بچھا ہے، جس پر ایک بارُعب شخصیت جلوہ افروز ہے۔ سینے پر پھیلی ہوئی اس کی سفید ڈاڑھی، اس کے وقار و جلال میں اضافہ کر رہی ہے۔ بہلول نے سمجھا: بادشاہ یہی ہے۔ اور اپنے تئیں حضورِ شاہی میں پاکر وہ خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔

جج کے سامنے استغاثہ پیش کیا گیا۔ اس نے دو وکیل مقرر کر دیئے، ایک استغاثے کی طرف سے اور دوسرا ملزم کی طرف سے۔ دونوں وکیل باری باری کھڑے ہوئے اور عدالت کے سامنے اپنے اپنے مؤکل کے حق میں دلائل پیش کیے۔

لیکن بہلول یہ سمجھتا رہا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے اس کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ اور اپنی اس پذیرائی پر اس کا دل بادشاہ اور اس کے اعیان و امراء کے لیے تشکر و امتنان کے جذبات سے چھلکتا رہا۔

مقدمے کے آخر میں جج نے بہلول کو سزا کا حکم سناتے ہوئے کہا:

"اس کا جُرم ایک تختی پہ لکھ کر، وہ تختی اس کے گلے میں لٹکا دی جائے، اور اسے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ بٹھا کر سارے شہر میں پھرایا جائے۔ ڈھول پیٹنے اور باجا بجانے والے اس کے آگے آگے چلیں۔"

حکم کی تعمیل فوراً کی گئی۔ بہلول کو ایک بے زین کے گھوڑے پر سوار کرا کے شہر کی بڑی بڑی سڑکوں پہ پھرایا گیا۔ ڈھول باجے والے اس کے آگے آگے تھے۔ شہر کے لوگ ڈھول باجے کی آوازیں سُن کر دوڑے دوڑے آتے اور بہلول کو اس ہیئت میں دیکھ کر مارے ہنسی کے دوہرے ہوئے جاتے تھے۔ لڑکوں کی ٹولیاں اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔ جلوس جس طرف جاتا، جس سڑک پہ مڑتا، یہ ٹولیاں اس کے ساتھ ہوتیں۔

لیکن بہلول اس منظر کو حیرت و مسرت کی چمکتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ تختی جو اس کے سینے پر آویزاں ہے، نشان ہے اس کے لئے بادشاہ کے استقبال اور اس کی ملاقات سے بادشاہ کی خوشنودی کا۔ اور یہ مجمع

جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، جلوس ہے اس کی حضوری
کی تعظیم و تکریم کا۔

بہلول گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا، اور رہبر اس کے
ساتھ ساتھ تھی، کہ اچانک اس کی نظر ایک بدّو پہ پڑی، جو اس
کے قبیلے کا تھا۔ اس کا دل مارے خوشی کے اُچھلنے لگا، اور اس
نے بدّو کو پکارتے ہوئے کہا:

"تجھے خدا کی قسم! اے بھائی! یہ تو بتا کہ اس وقت
ہم کہاں ہیں؟ کیا یہ وہی شہر نہیں ہے جسے ہمارے بزرگ
"دل کی خوشیوں کا شہر" کہتے تھے۔ جس کے فیاض و سخی باشندے
اپنی حویلیوں میں، مسافر کو، عزت و تکریم کے ساتھ خوش آمدید
کہتے ہیں۔ جس کے حُکّام مسافر سے لُطف و مدارا کے ساتھ
پیش آتے ہیں۔ اور جس کا فرماں روا مسافر کے سینے کو تمغوں
سے سجاتا ہے۔ اس کے لیئے اپنے اس شہر کے دروازے
کھولتا ہے۔ جو آسمان سے زمین پر اتارا گیا ہے۔"

بدّو نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ البتہ مُسکرا کر سر ہلا دیا۔

جلوس چلتا رہا۔

بہلول کا مُنہ فخر و تبختر سے اُوپر کو اُٹھا ہوا تھا، اور حیرت و مسرّت کی شعاعیں اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑ رہی تھیں۔

# موت

جب گلاب کی پتّیاں، چُپ چاپ، بکھر جائیں۔
جب فضائے آسمانی میں ستاروں کے چراغ گُل ہو جائیں۔
جب موجیں بلند و برہنہ چٹانوں پہ یلغار کر دیں۔
اور جب شفق کی کرن بُجھ کر بادلوں میں چھَپ جائے "

تو یہ موت ہے!
لیکن ایسی موت، جو ہمیں اپنے حُسن سے رِجھاتی اور راحت
و آسودگی کے پنگورے میں جُھلاتی ہے۔
ایسی موت، جو قدرت کا عطیہ اور خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔

میں نے بار رہا موت سے محبت کی، اور اُسے میٹھے میٹھے ناموں سے پکارا۔ اس سے کھُلے ڈُلے اور ڈھکے چھُپے چمٹا رہا۔

اور جب میں موت سے ہم کنار نہ ہو سکا۔ اس سے ایفائے عہد میں پورا نہ اُتر سکا، تو پلٹ کر ایسی ہی محبت زندگی سے کرنے لگا۔

اس لئے کہ زندگی اور موت، میرے نزدیک حسن میں ایک دوسرے کے برابر، لذّت میں ایک دوسرے سے مشابہ، اور میرے شوق و آرزو کے بڑھانے میں ایک دوسرے کی شریک ہیں۔

# نیند اور بیداری کے درمیان

چار غلام، کھڑے ایک بوڑھی ملکہ کو مورچھل کر رہے تھے، جو اپنے تخت پر بے خبر پڑی، بڑے بڑے خرّاٹے لے رہی تھی۔ ملکہ کی گود میں ایک بلّی بیٹھی میاؤں میاؤں کر رہی تھی، اور غلاموں کو ذلّت و حقارت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

پہلے غلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"سوتے میں، یہ بڑھیا کتنی بدصورت معلوم ہو رہی ہے۔ ذرا دیکھنا! اس کے ہونٹ کیسے لٹک گئے ہیں، اور یہ اس طرح سانس لے رہی ہے، جیسے شیطان اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔"

بلّی نے میاؤں میاؤں کرتے ہوئے کہا:

"سوتے میں اس کی بدصورتی، تمہاری بیدار غلامی کی بدصورتی کا کوئی جزو نہیں ہے۔"

دوسرا غلام بولا:

"تعجب ہے! کہ نیند نے بھی اس کے چہرے میں کوئی ملائمت پیدا نہیں کی۔ بلکہ اس کی شکنیں اور اُبھر آئی ہیں۔ یقیناً یہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔"

بلّی نے میاؤں میاؤں کی زبان میں کہا:

"کیا ہی اچھا ہوتا! اگر تم سوتے اور اپنی آزادی کا خواب دیکھتے۔"

اب تیسرا غلام اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا:

"میرا خیال ہے، یہ خواب میں اُن کشتگانِ ستم کا جلوس دیکھ رہی ہے، جنہیں اس نے ازراہِ ظلم و زیادتی، قتل کرایا ہے۔"

بلّی نے اپنی میاؤں میاؤں میں جواب دیا:

"ہاں! یہ تمہارے اجداد اور تمہاری اولاد کے جلوس دیکھ رہی ہے۔"

چوتھے غلام نے کہا:

"کتنے بے وقوف ہو تم! اس ملکہ کی باتیں کر رہے ہو، اور وہ سو رہی ہے۔ بھلا! اس سے تمہیں یا مجھے کیا فائدہ؟ کاش! اس سے میری اس تکان اور اذیت میں کوئی کمی ہوتی، جو مجھے کھڑے ہونے اور اسے مورچھل کرنے میں ہو رہی ہے۔"

بلّی نے اپنی زبان میں کہا:

"ہاں! تم یونہی ابدالآباد تک مورچھل کرتے رہو گے۔ کیونکہ جو تم زمین پر ہو، وہی آسمان پر بھی رہو گے۔"

اس وقت ملکہ نے سوتے میں کروٹ لی اور اس کا تاج زمین پر گر پڑا۔ ایک غلام بولا:

"یہ اس کے لئے بُرا شگون ہے۔"

بلّی نے میاؤں میاؤں کی اور کہا:

"ایک قوم کے مصائب، دوسری قوم کے لئے فوائد ہوتے ہیں۔"

دوسرا غلام کہنے لگا:

"اگر یہ اس وقت بیدار ہو جائے، اور اپنا تاج زمین پر پڑا دیکھے، تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ خدا کی قسم! یہ ہم سب کو ذبح کرا دے گی!"

بلّی نے میاؤں میاؤں کرتے ہوئے کہا:

"تم تو اپنی پیدائش ہی کے دن سے ذبح کئے جا رہے ہو، بے وقوفو! مگر جانتے نہیں۔"

تیسرا غلام بولا:

"یقیناً یہ ہمیں ذبح کرا دے گی اور سمجھے گی کہ اس طرح اس نے اپنے دیوتاؤں کا قرب حاصل کر لیا۔"

بلّی نے اپنی زبان میں کہا:

"دیوتاؤں پر کم زور ہی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔"

چوتھے غلام نے اپنے ساتھیوں کو خاموش کیا اور کراہتے ہوئے زمین سے تاج اٹھا کر، ملکہ کے سر پر اس طرح رکھ دیا کہ اس کی نیند میں خلل نہ پڑے۔

بلّی نے زور سے میاؤں میاؤں کرتے ہوئے کہا:

"میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ لڑھکے ہوئے تاجوں کو غلاموں کے سوا کوئی نہیں اٹھاتا۔"

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ بیدار ہو گئی۔ اس نے جماہی لیتے ہوئے اپنے

چاروں طرف دیکھا، اور غلاموں سے کہنے لگی :

"میرا خیال ہے، میں خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بچھوہ تن آور شاہ بلوط کے تنے کے گرد، چار کیڑے مکوڑوں کا تعاقب کر رہا ہے۔ پریشان کن خوابوں سے اللہ بچائے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور پھر سو گئی۔ کمرہ اس کے خراٹوں سے گونجنے لگا۔ اور غلام اپنے معمول کے مطابق، لمبے مورچھل کرنے لگے۔

بلی نے میاؤں میاؤں کرتے ہوئے ان سے کہا :

"کئے جاؤ مورچھل، کئے جاؤ! اے اندھو اور بے وقوفو! تم اس آگ کو ہوا دے رہے ہو، جو تمہارے وجود کو چاٹتی ہے۔"

# کمال

تو مجھ سے پوچھ رہا ہے، میرے بھائی، کہ انسان، کامل کب ہوتا ہے؟

لے، میرا جواب سُن!

"انسان کمال کی طرف اس وقت قدم زن ہوتا ہے، جب وہ اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ فضائے بے کراں ہے، بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ وہ آگ ہے، جو کبھی نہیں بُجھتی اور وہ نُور ہے، جو کبھی ماند نہیں پڑتا۔ ہوا ہے، جب وہ چلے یا جب وہ بند ہو۔ بادل ہے، جب وہ چمکے، گرجے اور برسے۔ نہر ہے، جب وہ گنگنائے یا نوحہ خوانی کرے۔

درخت ہے، جب وہ بہار میں پھول لائے، یا خزاں میں ننگا ہو چکا ہو جائے۔ پہاڑ ہے، جب وہ بلند ہو۔ وادی ہے جب وہ پست ہو، اور کھیت ہے جب وہ سرسبز یا خشک ہو!"

جب انسان یہ تمام چیزیں محسوس کرے، تو کمال کا آدھا رستہ طے کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ کمال کی شاہ راہ پہ پہنچنا چاہے، تو اپنے تئیں یہ محسوس کرنا اس پر لازم ہے ــــ بشرطیکہ وہ اپنے وجود کا شعور رکھتا ہو ــــ کہ وہ بچّہ ہے، جو اپنی ماں کا محتاج ہے۔ اور بوڑھا ہے، جو اپنے اہل و عیال کا ذمّے دار ہے۔ نوجوان ہے، جو اپنی آرزوؤں اور اپنے عشق کے درمیان بھٹک رہا ہے، اور پختہ عمر، جو اپنے ماضی اور مستقبل سے بر سرِ پیکار ہے۔ وہ عابد ہے، اپنی خانقاہ میں، اور مجرم ہے اپنے قید خانے میں۔ وہ اپنی کتابوں اور مسودوں میں کھویا ہوا عالم اور اپنی رات کی ظلمت اور دن کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والا جاہل ہے۔ وہ اپنے ایمان کے پھولوں اور تنہائی کے کانٹوں میں اُلجھی ہوئی راہبہ اور اپنی کم زوری کے جبڑوں اور ضرورت کے پنجوں میں بلکتی ہوئی بیسوا ہے۔ وہ محتاج ہے جو اپنی تلخی اور

فرماں برداری کی کش مکش کے عذاب جھیل رہا ہے۔ وہ غنی ہے، جو اپنے حرص و آز اور ادّعا و تحکّم کے نشّے میں مست ہے۔ اور وہ شاعر ہے، جو اپنی شاموں کے جھُٹ پٹے اور صبحوں کی کرن کے درمیان نوا پرواز ہے۔

جب انسان میں ان تمام چیزوں سے علم و خبر کی استطاعت پیدا ہو جائے، تو وہ کمال کو پہنچ کر خدا کے سایوں میں سے ایک سایہ ہو جاتا ہے۔

# اے زمین

کتنی حسین ہے تُو، اے زمین! اور کتنی دل فریب۔
کتنی بھرپور ہے روشنی کے لئے تیری اطاعت۔ اور کتنی
بے پایاں ہے سورج کے لئے تیری فرماں برداری۔
کتنی سجیلی ہے تُو۔ سائے کی بدّھی پہنے۔ اور کتنا حسین ہے تیرا
چہرہ، اندھیرے کی نقاب ڈالے!
کتنے شیریں ہیں، تیرے صبح کے نغمے، اور کتنے ڈراؤنے ہیں،
تیرے شام کے نعرے!
کتنی مکمل ہے تُو اے زمین! اور کتنی ذی شان۔

میں تیرے میدانوں میں پھرا۔ تیرے پہاڑوں پر چڑھا۔ تیری وادیوں میں اُترا۔ تیری چٹانوں پہ اُچھلا کودا۔ اور تیرے غاروں میں گھُسا۔

میں نے میدانوں میں تیری بردباری، پہاڑوں پہ تیری خودداری۔ وادی میں تیرا سکون، چٹانوں میں تیرا ارادہ اور غار میں تیری رازداری دیکھی۔

پس قوت نے تجھے پھیلایا ہے۔ انکسار نے بلند کیا ہے۔ فراز نے نشیب بخشا ہے۔ سختی نے نرم بنایا ہے۔ اور اسرار و رموز نے واضح و روشن کیا ہے۔

میں نے تیرے سمندروں کا سفر کیا۔ تیرے دریاؤں میں غوطے لگائے اور تیری نہروں میں شناوری کی۔

میں نے ابدیت کو تیرے مدّ و جزر میں بولتے، زمانوں کو تیرے کوہستانی سلسلوں اور ناہموار زمینوں کے درمیان گنگناتے، اور زندگی کو تیری گھاٹیوں اور کھائیوں میں زندگی سے سرگوشیاں کرتے سُنا۔

پس تو ابدیت کے ہونٹ اور اس کی زبان ہے۔ زمانوں کے رگ پٹھے اور ان کی انگلیاں ہے۔ زندگی کی فکر اور اس کا اظہار ہے۔

تیری بہار نے مجھے جگایا اور تیرے جنگلوں میں لے گئی جہاں تیرے انفاس، خوشبوؤں کی طرح فضا میں بلند ہوتے ہیں۔

تیری گرمی نے مجھے تیرے کھیتوں میں بٹھایا، جہاں تیری جاں فشانیاں اناج کی صورت میں نکھرتی ہیں۔

تیری خزاں نے مجھے تیرے تاکستانوں میں کھڑا کیا، جہاں تیرا خون شراب بن کر، بہتا ہے۔

اور تیرا جاڑا مجھے تیری خواب گاہ میں لے گیا، جہاں تیری پاکیزگی برف کی شکل میں، بکھرتی ہے۔

پس بہار نے تجھے مہکایا ہے۔ گرمی نے سخی بنایا ہے۔ خزاں نے دریا دل کیا ہے اور جاڑے نے پاکیزگی بخشی ہے۔

صاف و شفاف رات میں، میں نے اپنی ذات کی کھڑکیاں اور دروازے کھولے، اور اپنی خواہشوں سے لدا ہوا، اپنی انانیت

کی زنجیروں میں جکڑا ہوا، تیری طرف چلا۔ اور تجھ سے مِل کر دیکھا کہ تو ستاروں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے۔ اور ستارے تجھے دیکھ دیکھ کر مُسکرا رہے ہیں۔

میں نے اپنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اُتار پھینکیں اور جان لیا کہ ذات کا مسکن تیری فضا ہے۔ اس کے مرغوبات تیرے مرغوبات میں ہیں۔ اس کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے اور اس کی سعادت اس سنہری غبار میں جو ستارے تیرے جسم پر بُرکتے ہیں۔

بادلوں سے گھری ہوئی رات میں، میں اپنی غفلت اور جمود سے اُکتا کر، تیری طرف نکلا، اور تجھے ایک خوف ناک دیو پایا، جو طوفان سے مسلح تھا۔ تو اپنے حال کے ہتھیاروں سے اپنے ماضی کے خلاف جنگ کر رہی تھی۔ اپنے جدید سے اپنے قدیم کو پچھاڑ رہی تھی، اور اپنے ہٹے کٹے سے، اپنے دُبلے پتلے کو رگید رہی تھی۔

میں نے جان لیا کہ انسان کا نظام تیرا نظام، اس کا ناموس تیرا ناموس اور اس کا قانون تیرا قانون ہے۔ اس اعتبار سے جو کوئی اپنی خشک ٹہنیوں کو اپنی ہوا کے جھونکوں سے نہیں توڑ پھینکتا۔

وہ اُکتاہٹ کی موت مرجاتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے مرجھائے ہوئے
پتّوں کو اپنے تند و تیز جھکّڑوں سے تتّر بتّر نہیں کرتا، وہ گُم نامی
کی حالت میں، فنا کے گھاٹ اُتر جاتا ہے، اور جو کوئی اپنے
ماضی کی لاش کو نسیان و فراموشی کے کفن میں نہیں لپیٹتا، وہ ماضی
کے نتائج کا کفن بن جاتا ہے۔

• • •

کتنی حوصلہ مند ہے تو، اے زمین! اور کتنا بڑا ہے تیرا ظرف!
کتنی بے پناہ ہے اپنے ان بیٹوں پر تیری شفقت، جو اپنے
اوہام کے پیچھے بھاگ کر اپنی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے
ہیں جو اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کے درمیان بھٹکتے پھر رہے ہیں۔
ہم چیختے چلّاتے ہیں اور تو ہنستی ہے۔
ہم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور تو کفّارہ ادا کرتی ہے۔
ہم گستاخیاں کرتے ہیں اور تو برکت دیتی ہے۔
ہم غلاظت میں لتھڑتے ہیں اور تو پاک کرتی ہے۔
ہم سو کر بھی خواب نہیں دیکھتے اور تو اپنی دائمی بیداری میں

خواب دیکھتی ہے۔

ہم تلواروں اور نیزوں سے تیرا سینہ چھیدتے ہیں، اور تو ہمارے زخموں پر مرہم رکھتی ہے۔

ہم تیری ہتھیلیوں پر ہڈیاں اور کھوپریاں بوتے ہیں اور تو بید اور چنار اُگاتی ہے۔

ہم لاش تیرے حوالے کرتے ہیں اور تو ہمارے کھلیانوں کو اناج اور ہمارے کلال خانوں کو انگور کے خوشوں سے بھرتی ہے۔

ہم تیرا چہرہ خون سے رنگتے ہیں اور تو ہمارا منہ آبِ کوثر سے دھلاتی ہے۔

ہم تیرے عناصر سے توپیں اور بندوقیں بناتے ہیں، اور تُو ہمارے عناصر سے گلاب اور کنول پیدا کرتی ہے۔

کتنا وسیع ہے، تیرا صبر، اے زمین! اور کتنی فراواں ہے تیری مہربانی!

تُو کیا ہے؟ اے زمین! اور تُو کون ہے؟

کیا تو اس غبار کا ایک ذرہ ہے، جو کائناتوں کے مشرقوں سے

اُن کے معزبوں کی طرف جاتے ہوئے اللہ کے قدموں سے اُٹھا ہے۔ یا چنگاری ہے، جو لا نہایت کے آتش دان سے اڑی ہے؟ کیا تو بیج ہے، جو ایتھر کے کھیت میں اس لئے ڈالا گیا ہے کہ اپنے مغز کے عزم سے اپنے چھلکے کو شق کر دے اور ایک ربانی درخت کی شکل میں پروان چڑھ کر ایتھر سے پرے نکل جائے؟

کیا تو سب سے بڑے طاقت ور کی رگوں میں دوڑنے والے خون کا ایک قطرہ ہے، یا اس کے ماتھے کے پسینے کی ایک بوُند؟

کیا تو وہ پھل ہے، جسے سورج آہستہ آہستہ پکاتا ہے؟ کیا تو معرفتِ تمام کے اس درخت کا ایک ثمر ہے، جس کی جڑیں ازل کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور شاخیں ابد کے اعماق میں تیرتی چلی گئی ہیں، یا ایک موتی ہے، جو زمانوں کے معبود نے مسافت کے دیوتا کی ہتھیلی پر رکھ دیا ہے؟

کیا تو فضا کی آغوش میں ایک بچی ہے، یا ایک پیرزن، جو شب و روز کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ حالانکہ وہ شب و روز کے

فلسفے سے شکم سیر ہو چکی ہے ؟

تو کیا ہے ؟ اے زمین ! اور تو کون ہے ؟

تو میری عینیت ہے، اے زمین ! تو میری بصارت اور بصیرت ہے۔ تو میری عقل اور میرا خیال و خواب ہے۔ تو میری بھوک اور میری پیاس ہے، تو میرا غم اور میری خوشی ہے، تو میری غفلت اور میری ہوشیاری ہے۔

تو میری آنکھوں کا حُسن ہے۔ میرے دل کا شوق ہے اور میری روح کی ہمیشگی ہے۔

تو میری عینیت ہے، اے زمین ! اگر میں نہ ہوتا، تو تُو بھی نہ ہوتی۔

# نکتہ چیں

ایک رات کا ذکر ہے:

ایک مسافر، گھوڑے پر سوار، ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ رستے میں اسے ایک سرائے ملی۔ وہ گھوڑے سے اُترا۔ اور اپنے جیسے سمندر کی طرف سفر کرنے والے دوسرے مسافروں کی طرح رات اور انسان پر اعتماد کرتے ہوئے، گھوڑے کو، سرائے کے پھاٹک کے سامنے، ایک درخت سے باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سرائے میں داخل ہو گیا۔

آدھی رات کو، جب سرائے کا ہر فرد بے خبر پڑا سو رہا

تھا۔ ایک چور آیا اور مسافر کا گھوڑا چرا کر لے گیا۔ کسی کو اس کی آہٹ تک نہ ہونے پائی۔

صبح، مسافر نیند سے بیدار ہوا، اور فوراً اس جگہ پہنچا، جہاں اس نے اپنا گھوڑا باندھا تھا۔ لیکن گھوڑا وہاں نہ تھا۔

اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ رات، کوئی چور اس کا گھوڑا چرا کر لے گیا ہے۔ اسے اپنا گھوڑا چرائے جانے کا صدمہ تو تھا ہی۔ لیکن اس سے زیادہ غم اس بات کا تھا کہ ایسے انسان بھی ہیں، جو شیطان کے بہکاوے میں آکر چوری کر بیٹھتے ہیں۔

جب دوسرے مسافروں کو اس واقعے کا پتا چلا، تو وہ اس کے گرد جمع ہو گئے، اور لگے اسے ہدفِ ملامت بنانے، اس پر طنز و تعریض کے تیر برسانے۔

ایک شخص نے اس سے کہا:

”تم بھی کس قدر بے وقوف ہو! تم نے اپنا گھوڑا اصطبل سے باہر باندھا ہی کیوں تھا؟“

دوسرا بولا:

مجھے تعجب ہے، تم نے گھوڑے کو باندھتے وقت اس کے پاؤں میں مقفّل زنجیر کیوں نہ ڈالی؟ کوئی انتہا ہے تمہاری جہالت کی؟"

تیسرے نے اپنے ساتھی سے کہا:

"گھوڑوں کی پیٹھ پر سمندر کا سفر کرنا ہی بنیادی طور پر حماقت ہے۔"

اور چوتھے صاحب نے ارشاد فرمایا:

"میرا تو خیال یہ ہے کہ گھوڑے رکھتے ہی وہ لوگ ہیں، جو بے وقوف سُست اور کاہل ہوتے ہیں۔"

مسافر اس بعد از وقت وعظ و ارشاد اور ان واعظین و ناصحین کی فصاحت و بلاغت پر بہت حیران ہوا۔ غصّے سے بے آپے ہو کر اس نے کہا:

حضرات! جب میرا گھوڑا چوری ہو گیا، تو فصاحت نے آپ پر یورش کر دی، اور آپ لوگوں نے، یکے بعد دیگرے، بڑھ چڑھ کے میری غلطیاں اور لغزشیں گنوانی شروع کر دیں۔ لیکن مجھے حیرت اس پر ہے کہ اس تمام قوتِ بیان کے باوجود، جو مبداء فیاض کی طرف سے آپ حضرات کو عطا کی گئی ہے، آپ میں سے کسی نے اس شخص کے بارے ایک حرف نہیں فرمایا، جس نے میرا گھوڑا چرایا ہے!"

# اپنی اپنی فکر

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے، اور میرے لئے میری فکر!

تمہاری فکر ایک تن آور درخت ہے، جس کی جڑیں تقلید و روایت کی زمین میں پیوست ہیں، اور جس کی شاخیں قوتِ استمرار سے نمو پاتی ہیں۔

اور میری فکر ایک بدلی ہے، جو فضا پر چھاتی ہے، پھر قطروں کی صورت میں زمین پر برستی ہے، پھر دریا کے روپ میں سمندر کی طرف بہتی ہے، اور پھر کہُر کی شکل میں بلندیوں پر چڑھتی ہے۔

تمہاری فکر ایک مضبوط و مستحکم قلعہ ہے، جسے طوفان ہلاتے
ہیں، نہ آندھیاں جھنجھوڑتی ہیں۔

اور میری فکر نرم و نازک سبزہ ہے، جو اِدھر اُدھر لہلہاتا
ہے اور اپنی لہلہاہٹ میں مسرت و شادمانی پاتا ہے۔

تمہاری فکر ایک فرسودہ مذہب ہے، جو نہ تمہیں بدلتا ہے
اور نہ خود تبدیل ہوتا ہے۔

اور میری فکر ایک نیا عقیدہ ہے، جسے صبح و شام، میں
چھانتا پھٹکتا ہوں اور جو صبح و شام، مجھے چھانتا پھٹکتا ہے۔

• • •

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے۔ اور میرے لئے میری فکر!

تمہاری فکر یہ ہے کہ تمہارا طاقتور تمہارے کمزور کو
پچھاڑے اور تمہارا چالباز تمہارے سادہ لوح کو دھوکا دے۔

اور میری فکر یہ ہے کہ اپنے کدال پھاوڑے سے زمین
جوتوں اور اپنی درانتی سے اُسے کاٹوں۔ اینٹ اور مٹّی سے
گھر بناؤں اور سوت یا اُون سے کپڑا بُنوں۔

تمہاری فکر یہ ہے کہ تم جاہ و ثروت سے ناتا جوڑو۔
اور میری فکر یہ ہے کہ میں اپنی ذات پہ بھروسا کروں۔
تمہاری فکر یہ ہے کہ تم نیک نامی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور
شہرت کے پیچھے پیچھے بھاگو۔
اور میری فکر یہ ہے کہ میں نیک نامی اور شہرت کو، ریت کے
دو ذرّے قرار دے کر، ابدیت کے ساحل پہ پھینک دوں۔
تمہاری فکر یہ ہے کہ تم رفعت و سیادت کی راہ میں دوڑ دھوپ کرو۔
اور میری فکر یہ ہے کہ میں سلامتی کی تمنّا اور آزادی کی
آرزو کروں۔
تمہاری فکر یہ ہے کہ تم ایسی کوٹھیوں میں رہو، جن کا فرنیچر
جڑاؤ صندل کا ہو اور پردے حریر و اطلس کے۔
اور میری فکر یہ ہے کہ میں اپنے روح و جسم کو پاک
و صاف رکھوں، چاہے میرے پاس سر چھپانے کو کھنڈلا
بھی نہ ہو۔
تمہاری فکر یہ ہے کہ تم خطابات و مناصب سے ارجمند ہو۔

اور میری فکر یہ ہے کہ میں ایک سود مند خدمت گار بنوں۔

• • •

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے۔ اور میرے لئے میری فکر۔

تمہاری فکر مذہبی و اجتماعی نوامیس اور فنّی و سیاسی مجلّدات ہیں۔

اور میری فکر قلیل و بسیط اوّلیات۔

تمہاری فکر کہتی ہے:

"حسین عورت۔ بدشکل عورت۔ شریف عورت۔ بدکار عورت۔ ذہین عورت۔ کُند ذہن عورت۔"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"ہر عورت، ہر مرد کی ماں ہے۔ ہر عورت، ہر مرد کی بہن ہے ہر عورت، ہر مرد کی بیٹی ہے۔"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"چور۔ مجرم۔ قاتل۔ خبیث۔ نافرمان۔"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"چور، ذخیرہ اندوز کا بنایا ہوا ہے۔ مجرم، ظالم کا پیدا کردہ ہے۔ قاتل، مقتول کا حلیف ہے۔ خبیث، فسادی کا آوردہ ہے اور نافرمان، سخت گیر کا زائیدہ ہے۔"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"قوانین۔ عدالتیں۔ جج۔ سزائیں۔"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"اگر یہاں کوئی ہمارا بنایا ہوا قانون ہے، تو ہم میں سے کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے، اور کوئی اطاعت۔ لیکن اگر یہاں کوئی اساسی ناموس ہے تو ہم سب اس ناموس کے سامنے یکساں ہیں۔ اس بنا پر جو کوئی گرے پڑوں پہ ناک بھوں چڑھاتا ہے، وہ خود انہی گرے پڑوں میں سے ایک ہے۔ اور جو کوئی کیچڑ میں لتھڑے ہوؤں سے اپنا دامن بچاتا ہے، وہ خود کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہے۔ اسی طرح جو کوئی اپنے ٹھوکروں اور لغزشوں سے بلند ہونے پہ فخر کرتا ہے، وہ درحقیقت پوری انسانیت کے ٹھوکروں اور لغزشوں سے بلند ہونے پہ فخر کرتا ہے، اور

جو کوئی اپنی پاک دامنی پر نازاں ہوتا ہے۔ وہ دراصل پوری انسانیت کی پاک دامنی پر نازاں ہوتا ہے۔"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"ماہر۔ ذو فنون۔ استاذ کامل۔ عبقری۔ فلسفی۔ امام۔"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"دوست۔ مخلص۔ محب۔ راست گو۔ راست رَو۔ شہادت نواز، ایثار پیشہ۔"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"موسویت۔ برہمنیت۔ بدھ مت۔ مسیحیت۔ اسلام۔

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"یہاں ایک اور صرف ایک دین ہے، جس کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ خود مجرّد و مطلق رہتا ہے۔ اس سے مختلف راہیں اس طرح پھوٹتی ہیں، جیسے ہاتھ سے انگلیاں۔"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"کافر۔ مُشرک۔ دہریا۔ خارجی۔ زندیق۔"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"مضطرب۔ گم کردہ راہ۔ کم زور۔ نابینا۔ یتیم العقل یتیم الروح"

تمہاری فکر کہتی ہے:

"منعم۔ فقیر۔ سخی۔ بھکاری"

لیکن میری فکر کہتی ہے:

"ہم سب فقیر ہیں۔ اور زندگی کے سوا کوئی منعم نہیں۔ ہم سب بھکاری ہیں۔ اور زندگی کے سوا کوئی سخی نہیں۔"

• • •

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے اور میرے لئے میری فکر!

تمہاری فکر مدعی ہے کہ "قومیں سیاست کاریوں، جماعتوں، کانفرنسوں، تقریروں اور معاہدوں سے عبارت ہیں۔"

لیکن میری فکر حتماً یہ سمجھتی ہے کہ "قومیں عمل اور صرف عمل سے بنتی ہیں۔ کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے سے، ملوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے سے، پہاڑوں اور جنگلوں میں کام کرنے سے۔ اسکولوں اور پریسوں میں کام کرنے سے۔"

تمہاری فکر ان سورماؤں کو بزرگ سمجھتی ہے، جو تیغ آزما،
اور کشور کشا ہیں - اور تم نمرود - بخت نصر - رعمسیس - اسکندر -
قیصر - ہانی بال اور نپولین کے راگ گاتے ہو۔

لیکن میری فکر کنفیوشس - لیوتسی - سقراط - افلاطون - علیؓ ابن
ابی طالب - غزالیؒ - جلال الدین رومیؒ - کوپرنیکس اور پاسچر کو عظیم و
جلیل انسان قرار دیتی ہے۔

تمہاری فکر قوتِ غالبہ دیکھتی ہے - لشکروں اور توپوں میں،
زرہ بکتروں اور ڈبکنی کشتیوں میں - طیاروں اور زہریلی گیسوں میں۔

لیکن میری فکر پختہ یقین رکھتی ہے کہ حق کے سوا کوئی قوت
اور کوئی ارادہ نہیں - اور مادی قوت سے چمٹنے والوں کا عہدِ اقتدار
چاہے کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو جائے، ایک نہ ایک دن اُنہیں ضرور
مغلوب ہونا ہے۔"

تمہاری فکر ذی عمل اور ذی خیال، کارکن اور عینیت پسند،
صوفی اور دنیا پرست کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتی ہے۔

لیکن میری فکر جانتی ہے کہ زندگی ایک وحدت رکھتی ہے،

جس کے اپنے اوزان، اپنے پیمانے اور اپنے نقشے ہیں، جو تمہارے اوزان
تمہارے پیمانوں اور تمہارے نقشوں سے میل نہیں کھاتے۔ بہت ممکن
ہے، جسے تم فضائے خیال کا باسی سمجھتے ہو، وہ دنیائے عمل کا رہنے والا
ہو۔ اور بہت ممکن ہے، جسے تم کارکن اور دنیا پرست خیال کرتے ہو،
وہ تصورات و خیالات کے پرستاروں میں سے ہو۔

• • •

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے اور میرے لئے میری فکر!
تمہارے لئے تمہاری فکر ہے، جسے تم ویرانوں اور مقبروں کے
عجائب گھروں میں تلاش کرتے پھرتے ہو۔
اور میرے لئے میری فکر ہے، جسے میں کہر اور بادلوں میں
پُرافشاں دیکھتا ہوں۔
تمہارے لئے تمہاری فکر ہے، جسے تم کھوپریوں کے تخت پہ
بیٹھے دیکھ کر، اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہو۔
اور میرے لئے میری فکر ہے، جسے میں ٹکٹکی باندھ کر، دور و دراز
اور نامعلوم وادیوں میں سرگرداں دیکھتا ہوں۔

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے، جس کے تم، بانسری بجا بجا کے
راگ گاتے ہو اور ناچ ناچ کے اپنا جی خوش کرتے ہو۔

اور میرے لئے میری فکر ہے، جو نزع کی خرخراہٹ کو تمہاری
نے نوازی اور قید خانوں کو تمہارے ناچ گھروں پہ ترجیح دیتی ہے۔

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے۔

اور تمہاری فکر ان تمام لوگوں کی فکر ہے، جو اخلاق و تہذیب
کے دل دادہ، مجلسی زندگی کے رسیا اور عیش و راحت کے طلب گار ہیں،

اور میرے لئے میری فکر ہے،

اور میری فکر ہر اُس شخص کی فکر ہے، جو اپنے وطن میں بے وطن،
اپنی قوم میں اجنبی، اور اپنے رشتے داروں اور دوستوں میں تنہا،
اور دل گیر ہے۔

تمہارے لئے تمہاری فکر ہے۔ اور میرے لئے میری فکر!

# میری تنہائی سے پرے

میری تنہائی سے پرے ایک اور تنہائی ہے ـــــــ بہت
دُور! بالکل آخری سرے پہ!!
وہ، جو اس تنہائی میں خلوت گزیں ہیں، ان کے لئے میری تنہائی
ایک میدان ہے، جمِّ غفیر سے بھرپور!
اور وہ، جو اس تنہائی میں رہتے بستے ہیں، ان کے نزدیک میری
خاموشی ایک غل غپاڑا ہے، ایک چیخ پکار ہے!
میں ناآزمودہ کار، مضطرب اور سرگشتۂ محبت ہوں، پھر میں اس
دور و دراز تنہائی تک کیسے پہنچوں؟

اُس وادی کے نغمے میرے کانوں میں گُونج رہے ہیں۔
اور اس کے سیاہ سائے، رستے کو میری آنکھوں سے
اوجھل کر رہے ہیں۔
پھر میں اس ارفع و اعلیٰ تنہائی کی طرف قدم کیسے بڑھاؤں؟
ان وادیوں اور پہاڑوں سے پرے محبت و شیفتگی کا
مرغزار ہے۔
وہ، جو اس مرغزار میں رہتا ہے، اس کے لئے میری
خاموشی ایک تند و تیز اور اندھی بہری آندھی کے سوا کچھ نہیں۔
اور وہ، جو اس مرغزار کا والہ و شیدا ہے، اس کے
نزدیک میری فریفتگی ایک گُم راہی، ایک فریب خوردگی ہے
اور بس!
میں ناآزمودہ کار، مضطرب اور سرگشتۂ محبت ہوں، پھر میں
اس مقدس مرغزار تک کیسے پہنچوں؟
خون کا ذائقہ ابھی تک میری زبان پر ہے۔
اور میرے باپ کے تیر کمان ہنوز میرے ہاتھ میں ہیں۔

پھر میں اس ارفع و اعلیٰ تنہائی کی طرف قدم کیسے بڑھاؤں؟

اس مقید وجود کے پیچھے، میرا ایک اور وجود ہے ———

حدود و قیود سے یک سر آزاد!

اس وجود کے نزدیک میرے خواب، تاریکی میں برپا ہونے والی

ایک جنگ ہیں۔ اور بس!

اور میرے مرغوبات اس کے مرغوبات کے مقابلے میں ہڈیوں کی

کھڑکھڑاہٹ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

میں مُورکھ اور ذلت وحقارت کا مارا ہوں۔

پھر میں ایک ایسا وجود کیسے ہو سکتا ہوں، جو حدود و قیود سے

یک سر آزاد ہو۔

ہاں! میں ایک ایسا وجود کیسے ہو سکتا ہوں، جو حدود و قیود

سے یک سر آزاد ہو۔

جب تک کہ میں اپنے نفس کے خلاف بغاوت کر کے اپنے اس

وجود کو یک سر ذبح نہ کر ڈالوں، جسے غلام بنا لیا گیا ہے۔

یا جب تک کہ تمام انسان ہر پابندی سے آزاد اور ہر قید سے

رہا نہ ہو جائیں۔

میری تتلیاں ہوا کے دوش پر، گنگناتی ہوئی، کیسے اڑیں؟
جب تک کہ میری جڑیں زمین کی تاریکیوں میں خشک نہ ہو جائیں۔
بلکہ میری روح کا عقاب، سورج کے گرد، کیسے تارے کاٹے؟
جب تک کہ میرے بچّے اس آشیانے کو خیرباد نہ کہہ دیں، جو
میں نے اُن کے لئے اپنے خدوخال کے گھاس پھونس سے بنایا ہے۔

# نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں اس سے محبت کروں، جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اور اس سے خلوص برتوں، جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہیں۔ اس نے مجھ پر واضح کیا کہ محبت چاہنے والے کا نہیں، چاہے جانے والے کا امتیاز ہے۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے محبت میرے لئے ایک باریک دھاگا تھی، جو پاس پاس گڑی ہوئی دو میخوں کے درمیان کسا ہوا تھا۔ لیکن اب اس نے ایک ہالے کی صورت

اختیار کرلی ہے، جس کا اوّل، آخر ہے اور آخر اوّل۔ جو ہر موجود کو محیط ہے۔ اور آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے۔ تاکہ آئندہ جو بھی عرصۂ وجود پر قدم رکھنے والا ہو، اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لے۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں اُس حسن پہ نگاہ کروں، جو صورت، رنگ اور جِلد کے پیچھے چھُپا ہوا ہے۔ جسے لوگ گھناؤنا سمجھتے ہیں، اسے بصیرت کی آنکھ سے دیکھوں، اور اس وقت تک دیکھتا رہوں، جب تک اس کا حُسن مجھ پر ظاہر نہ ہو جائے۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں حُسن کو اُن مرتعش شعلوں کی صورت میں دیکھا کرتا تھا، جو دھوئیں کے بادلوں میں چھُپے ہوئے ہوں۔ لیکن اب دھواں چھٹ کر فنا ہو گیا ہے، اور میں صرف روشن چیزوں ہی کو دیکھنے لگا ہوں۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور مجھے ان آوازوں پر کان لگانا سکھایا، جو کسی زبان سے ادا نہیں ہوئیں۔ کسی حلقوم سے نہیں نکلیں۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں گراں گوشی کا مریض تھا، جسے شور و غل اور چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ لیکن اب مجھے خاموشی پہ کان لگانا آگیا ہے۔ اب میں خاموشی کے جھونپڑوں کو، زمانوں کے گیت گاتے، فضا کی تسبیحیں پڑھتے اور غیب کے اسرار کا اعلان کرتے سنتا ہوں۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں وہ شراب پیوں جو کشید کی گئی ہے، نہ پیالوں میں انڈیلی گئی ہے۔ ہاتھوں میں اٹھائی گئی ہے، نہ ہونٹوں سے لگائی گئی ہے۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میری پیاس راکھ کے ڈھیر میں ایک معمولی سی چنگاری تھی، جسے میں کنویں کے تھوڑے سے پانی یا بھٹی کے مٹکے کے ایک گھونٹ سے بجھا لیا

کرتا تھا۔ لیکن اب میرا شوق میرا پیالہ، میری تونس میری شراب، اور میری تنہائی میرا نشہ ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود میں سیراب نہیں ہوتا۔ نہ کبھی سیراب ہو سکوں گا۔ لیکن اس کبھی نہ بجھنے والی تپش میں میرے لئے ایک لازوال مسرت ہے۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور اس چیز کو چھونا سکھایا جس نے ابھی تک کوئی جسم اختیار نہیں کیا۔ اس مجھے سمجھایا کہ محسوس، نصف معقول اور ہمارے مقبوضات ہمارے مرغوبات کا ایک حصہ ہیں۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں مسرور ہوتا تھا، تو گرم پہ، گرم ہوتا تھا، تو سرد پہ اور معتدل ہوتا تھا، تو ان دونوں میں سے کسی ایک پہ اکتفار کرتا تھا۔ لیکن اب میری سکڑی ہوئی جلد بکھر کے ایک باریک کہر بن گئی ہے، جو ہستی کے ہر منظر میں نفوذ کر جاتی ہے تاکہ اس کے اُن حصوں سے گھل مل جائے، جو نظر نہیں آتے۔

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور اُس خوش بُو کا سونگھنا سکھایا،
جو پھولوں سے پھوٹتی ہے، نہ آتش دانوں سے بلند ہوتی ہے۔
اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں اس خوش بُو کا متوالا تھا، جسے میں باغوں، شیشوں اور عطر دانوں میں تلاش کرتا تھا۔ لیکن اب میں وہ خوش بُو سونگھنے لگا ہوں، جو سلگائی جاتی ہے، نہ اُنڈیلی جاتی ہے۔ اور اپنے سینے کو ان پاکیزہ انفاس سے بھرنے لگا ہوں، جو اس دنیا کے کسی باغ سے نہیں گزرے، اور جنہیں اس فضا کی کسی ہوا نے اپنے دوش پر نہیں اُٹھایا۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ جب کوئی نامعلوم آواز پکارے، کوئی خطرہ آواز دے، تو میں لبیک کہوں۔
اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے میں اُسی بلانے والے کی آواز پر اُٹھتا تھا، جسے میں جانتا تھا۔ اور اُنہی رستوں پر چلتا تھا، جن کے متعلق مجھے معلوم تھا کہ وہ آسان ہیں۔ لیکن اب "معلوم" میرے لیے ایک گاڑی بن گیا ہے، جس پر سوار ہو کر میں "نامعلوم" کی

طرف جاتا ہوں اور آسانی میرے لئے ایک زینہ ہوگئی ہے۔ جس پر چڑھ کر میں خطرے تک پہنچتا ہوں۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں زمانے کا قیاس اپنے اس قول سے نہ کروں کہ "کل تھا اور کل ہوگا۔"

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں ماضی کو ایک ایسا عہد سمجھتا تھا، جو کبھی واپس نہیں آتا۔ اور مستقبل کو ایک ایسا عصر، جس تک میں کبھی نہیں پہنچوں گا۔ لیکن اب میں نے جان لیا ہے کہ موجودہ لمحہ ہی کل زمانہ ہے، اور اسی میں زمانے کی وہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں، جن کی امید کی جاتی ہے، جنہیں حاصل کیا جاتا ہے اور جن کی تحقیق و تصدیق کی جاتی ہے۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں مکان کی تحدید یہ کہہ کر نہ کروں کہ "یہاں اور وہاں۔"

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، جب بھی زمین

کے کسی مقام پر ہوتا تھا، تو اپنے تئیں دوسرے تمام مقاموں سے دور سمجھتا تھا۔ لیکن اب میں جان گیا ہوں کہ جس جگہ میں ہوتا ہوں، وہی کُل جگہ ہے۔ اور جو فاصلہ میرے زیرِ قدم ہوتا ہے، وہی کُل مسافت۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ جب بستی والے سو رہے ہوں، تو میں جاگوں، اور جب وہ جاگ رہے ہوں تو میں سوؤں۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، نہ میں اپنی نیند میں اُن کے خواب دیکھتا تھا، نہ وہ اپنی بے خبری میں میرے خوابوں کی نگرانی کرتے تھے۔ لیکن اب، جب بھی میں، اپنی نیند میں بازو پھیلا کر اُڑتا ہوں، وہ میرے نگراں ہوتے ہیں، اور جب بھی وہ اپنے خوابوں میں پرواز کرتے ہیں، میں ان کی آزادی پر خوشی سے تالیاں بجاتا ہوں۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں تعریف سے
خوش ہوں، نہ مذمت سے دل گیر۔

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے جب تک کوئی
میرے کاموں کی تعریف نہ کرے، یا ان میں کوئی عیب نہ نکالے
میں اپنے کاموں کی قدر و قیمت کے بارے میں مشکوک و متذبذب
رہتا تھا۔ لیکن اب میں جان گیا ہوں کہ درخت، بہار میں پھول اور
گرمیوں میں پھل لاتے ہیں اور انہیں تعریف و تحسین کا کوئی لالچ
نہیں ہوتا۔ خزاں میں ان کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور جاڑوں میں
ننگے بوچے ہو جاتے ہیں، اور انہیں ملامت و مذمت کا کوئی
خوف نہیں ہوتا۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی۔ اس نے مجھے بتایا اور مجھ
پر ثابت کیا کہ میں شکستہ حالوں سے بلند ہوں، نہ طاقت وروں سے
پست،

اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، میں انسان کو دو

مردوں میں منقسم سمجھتا تھا۔ کم زور مرد، جس پر میں ترس کھاتا ہوں، یا اس سے نفرت کرتا ہوں۔ اور طاقت ور مرد، جس کے آگے میں جھکتا ہوں یا جس کے خلاف میں بغاوت کرتا ہوں۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اُسی چیز سے میں انفرادی طور پر، پیدا ہوا ہوں، جس چیز سے دوسرے انسان، اجتماعی طور پہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے میرے عناصر ان کے عناصر ہیں اور میرا ضمیر ان کا ضمیر۔ میرے مسائل اُن کے مسائل ہیں اور میری منزلِ مقصود ان کی منزلِ مقصود۔ اب اگر وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، تو گنہ گار میں ہوں۔ اور اگر وہ نیکی کرتے ہیں، تو اس پر فخر مجھے ہوتا ہے۔ اگر وہ اٹھتے ہیں تو ان کے ساتھ میں بھی اٹھتا ہوں۔ اور اگر وہ بیٹھتے ہیں، تو ان کے ساتھ میں بھی بیٹھتا ہوں

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی۔ اس نے مجھے بتایا اور سمجھایا کہ جو چراغ میرے ہاتھ میں ہے، وہ میرا نہیں ہے۔ اور جو گیت میں گا رہا ہوں وہ میرے بطون سے پیدا نہیں ہوئے۔

پس ہر چند میں روشنی میں چل رہا ہوں۔ لیکن خود روشنی نہیں ہوں، اور ہر چند میں کسے ہوئے تاروں کی سارنگی ہوں لیکن سارنگی نواز نہیں ہوں۔

• • •

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی، میرے بھائی! اور مجھے سکھایا پڑھایا۔

اور تیرے نفس نے بھی تجھے نصیحت کی اور تجھے سکھایا پڑھایا۔

پس تو اور میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ہم دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ میں اپنے دل کی بات کہہ رہا ہوں اور میرے کلام میں بے ربطی ہے۔ اور تو اپنے دل کی بات چھپا رہا ہے اور تیرے اختصار و تحمل میں فضیلت کا ایک پہلو ہے۔

# اپنا اپنا لبنان

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے اور میرے لئے میرا لُبنان!

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے اور اس کے پیچیدہ مسائل۔ اور میرے لئے میرا لُبنان ہے اور اس کا حسن و جمال!

تمہارا لُبنان عبارت ہے آپا دھاپی اور جھگڑے فساد سے، اور میرا لُبنان جیتی جاگتی تصویر ہے خوابوں اور آرزوؤں کی۔

تم اپنے لُبنان سے مطمئن ہو۔ لیکن میں مجرّد اور مطلق وجود کے سوا کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا۔

تمہارا لُبنان ایک سیاسی گتھی ہے، جس کا حل تم زمانے

سے چاہتے ہو۔ لیکن میرا لبنان وہ پہاڑیاں اور ٹیلے ہیں، جن کی عظمت وہیبت نیلگوں آسمان کی بلندیوں سے آنکھ ملاتی ہے۔

تمہارا لبنان ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے، جس پہ راتیں تہمت رکھتی ہیں۔ لیکن میرا لبنان وہ پُرسکون و سحرکار وادیاں ہیں۔ جن کے گوشوں میں گھنٹیوں کی جھنکار اور نہروں کے گیت ہلکورے لیتے ہیں۔

تمہارا لبنان مغرب اور جنوب سے آنے والوں کے درمیان ایک زور آزمائی ہے، اور میرا لبنان ایک فلک پیما دعا ہے، جو صبح کو —— جب چرواہے اپنے ریوڑ لے کر چراگاہوں میں جاتے ہیں —— پرافشاں ہوتی ہے، اور شام کو —— جب کسان اور باغبان اپنے کھیتوں اور باغوں سے واپس آتے ہیں —— بلندیوں کی طرف اڑتی ہے۔

تمہارا لبنان بے شمار سرداروں کا غلام ہے۔ لیکن میرا لبنان وہ کوہِ وقار و جلال ہے، جو سمندر اور میدانوں کے درمیان اس طرح بیٹھا ہے، جیسے دو ابدیتوں کے درمیان شاعر۔

تمہارا لبنان ایک مکاری ہے، جس سے لومڑی لگڑبگھّے کے سامنے اور لگڑبگھّہ بھیڑیے کے سامنے کام لیتا ہے۔ لیکن میرا لبنان وہ یادیں ہیں، جو چاندنی راتوں

میں لگائے ہوئے اپنی دوشیزاؤں کے گیت اور کھلیانوں اور بھٹیوں کے درمیان گونجتے ہوئے نوخیز لڑکوں کے نغمے میرے کانوں میں دہراتی ہیں۔

تمہارا لبنان مذہبی پیشوا اور سالارِ فوج کے درمیان بچھی ہوئی شطرنج کی بساط ہے۔ لیکن میرا لبنان وہ عبادت گاہ ہے، جس میں، میں اپنی روح کو لے کر داخل ہوتا ہوں۔ جب پہیوں پر چلنے والے تمدن کو دیکھتے دیکھتے میری نظر تھک جاتی ہے۔

تمہارا لبنان دو شخصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک ٹیکس دینے والا اور دوسرا ٹیکس لینے والا۔ لیکن میرا لبنان ایک تنہا شخص ہے، جو دھان کے سائے تلے اپنی کلائی سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور ذات الوہیت اور سورج کی روشنی کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

تمہارا لبنان نام ہے ڈاک، تجارت اور بندرگاہوں کا۔ اور میرا لبنان عبارت ہے، ایک دور رس فکر، ایک بھڑکتے جذبے اور ایک اُونچی بات سے، جو زمین چپکے سے فضا کے کان میں کہتی ہے۔

تمہارا لبنان ملازمت پیشہ لوگ، گورنر اور ناظم ہیں۔ لیکن میرا لبنان جوانی کی سیماب وشی، پختہ عُمری کا عزم اور بڑھاپے کا فلسفہ ہے۔

تمہارا لبنان وفد اور ادارے ہیں۔ لیکن میرا لبنان وہ محفلیں ہیں جو الاؤ

کے گرد جمتی ہیں، ان راتوں میں، جنہیں آندھیوں کی ہیبت گراں بار اور برف کی پاکیزگی سُبک دوش کرتی ہے۔

تمہارا لُبنان فرقے اور جماعتیں ہیں۔ لیکن میرا لبنان وہ نوخیز لڑکے ہیں جو چٹانوں پر چڑھتے ہیں، نہروں کے ساتھ دوڑتے ہیں اور میدانوں میں گیند کھیلتے ہیں۔

تمہارا لُبنان تقریریں، لیکچر اور مناظرے ہیں۔ لیکن میرا لُبنان بُلبلوں کے گیت ہیں۔ چنار اور بلوط کی شاخوں کی سرسراہٹیں ہیں، غاروں اور کھوؤں میں گُونجنے والی بانسری کی صدائیں ہیں۔

تمہارا لُبنان مانگے تانگے کی ذہانت کے پردے میں چھپا ہُوا جھوٹ اور تقلید و تصنّع کی چادر میں لپٹی ہوئی ریاکاری ہے۔ لیکن میرا لبنان ایک کھُلی ہوئی سادہ حقیقت ہے، جو پانی کے حوض میں جھانکتی ہے، تو اُسے اپنے پُرسکون چہرے اور کشادہ خدوخال کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

تمہارا لُبنان قوانین و دفعات کے اوراق، وعدوں اور عہدناموں کے دفاتر ہیں، لیکن میرا لبنان اسرارِ حیات کا ایک قطرہ ہے، اپنی حیثیت سے بے خبر! ایک شوق ہے، جو بیداری میں غیب کے دامن سے جھاڑ رہا

ہے اور اپنے تئیں خواب ہیں سمجھتا ہے۔

تمہارا لُبنان ایک ریش بہ دست اور چیں بہ جبیں بوڑھا ہے، جو اپنی ذات ہی کے بارے میں سوچتا ہے۔ لیکن میرا لُبنان قلعے کی طرح قائم اور صبح کی طرح متبسّم وہ نوجوان ہے، جو دوسروں کے متعلق بھی وہی کچھ محسوس کرتا ہے، جو اپنے متعلّق محسوس کرتا ہے۔

تمہارا لُبنان کبھی شام سے ناتا توڑتا ہے، کبھی جوڑتا ہے اور پابندی و آزادی کے بَین بَین رہنے کے لئے حیلہ گری سے کام لیتا ہے۔ لیکن میرا لُبنان ناتا جوڑتا ہے، نہ توڑتا ہے۔ بڑھتا ہے، نہ گھٹتا ہے۔

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے، اور میرے لئے میرا لُبنان!

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے اور اس کے فرزند، اور میرے لئے میرا لبنان ہے اور اس کے جگر گوشے!

بتاؤ! تمہارے لُبنان کے فرزند کون ہیں؟

اچھا! ذرا ٹھہرو، ان کی حقیقت میں تمہیں بتاتا ہوں:

تمہارے فرزند وہ لوگ ہیں، جن کی روحوں نے مغربی ہسپتالوں میں جنم لیا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں، جن کی عقلوں نے اس حریص کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے، جو سخاوت کا پارٹ ادا کرتا ہے۔

یہ وہ نرم شاخیں ہیں، جو دائیں بائیں جھومتی ہیں۔ لیکن اس میں ان کا اپنا کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا، اور صبح وشام لہلہاتی ہیں۔ لیکن نہیں جانتیں کہ وہ لہلہا رہی ہیں۔

یہ وہ کشتی ہیں، جو موجوں سے لڑتی ہے۔ لیکن اس میں چپّو ہیں، نہ بادبان۔ اس کا کپتان شک وتردّد ہے۔ اور اس کی بندرگاہ وہ غار، جس میں بھوت پریت رہتے ہیں —— اور کیا یورپ کا ہر دارالسلطنت بھوت پریتوں کا غار نہیں ہے؟

وہ بڑے سخت گیر ہیں۔ فصاحت پناہ ہیں، بلاغت دستگاہ ہیں۔ لیکن آپس میں، ایک دوسرے کے لیئے۔ افرنگ کے سامنے وہ کم زور اور گونگے ہیں۔ وہ آزادی کے علم بردار ہیں۔ مصلح ہیں۔ پُرجوش ہیں۔ لیکن اپنے اخباروں میں اور اپنے اسٹیجوں پہ۔ اہلِ مغرب کے سامنے وہ اطاعت کوش اور رجعت پسند ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں، جو مینڈکوں کی طرح ٹرّاتے ہیں کہ ہم نے اپنے قدیم سرکش دشمن سے چھٹکارا پالیا۔ لیکن ان کا قدیم سرکش دشمن ابھی تک

ان کے جسموں میں چھپا بیٹھا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں، جو جنازے کے آگے آگے شادیانے بجاتے اور ناچتے گاتے چلتے ہیں۔ تا آں کہ جب کسی برات سے دوچار ہوتے ہیں تو اُن کے شادیانے نوحوں سے بدل جاتے ہیں اور ان کا رقص سینہ کوبی اور پیراہن دری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں، جو جیب کی بھوک ہی کو بھوک سمجھتے ہیں اور جب کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں، جس کی روح بھوکی ہو، تو اس پر قہقہے لگاتے ہیں، اور اس کی طرف سے منہ پھیر کر کہتے ہیں:

"یہ محض تصور پرست ہے، جو خیالوں کی دنیا میں چلتا پھرتا ہے۔"

یہ وہ غلام ہیں، جن کی زنگ خوردہ بیڑیوں کو زمانہ چمکتی بیڑیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم آزاد و خود مختار ہو گئے۔

یہ ہیں تمہارے لُبنان کے فرزند!

تو کیا تم غیر مُ[illegible]دی ہے، جو لُبنان کی چٹانوں کے عزم، اس کے پہاڑوں کی بلندی، اس کے پانی کی مٹھاس یا اس کی ہوا کی خوش بُو کا نمونہ کہا جا سکے؟ کوئی ہے، جو یہ کہنے کی جرأت کر سکے کہ "جب میں مروں گا تو اپنے وطن کو

اس حالت سے کچھ بہتر حالت میں چھوڑوں گا، جس حالت میں، میں نے اُسے اپنی پیدائش کے وقت پایا تھا؟" کوئی ہے، جو یہ کہنے کی ہمت کر سکے کہ "میری زندگی لبنان کی رگوں میں خون کا ایک قطرہ، یا اس کی پلکوں پہ آنسو کی ایک بوند، یا اس کے لبوں پہ تبسم کی ایک موج ہے؟"

یہ ہیں تمہارے لبنان کے فرزند، تمہاری نگاہوں میں کتنے بڑے، اور میری نظر میں کتنے چھوٹے!

لیکن ذرا ٹھہرو! اب میں تمہارے اپنے لبنان کے جگر گوشے دکھاتا ہوں:

میرے لبنان کے جگر گوشے وہ کسان ہیں، جو غیر آباد زمینوں کو سبزہ زاروں اور باغوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

وہ چرواہے ہیں، جو اپنے گلّوں کو ایک وادی سے دوسری وادی میں لے جاتے ہیں، جہاں ان کی نسلیں بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہیں اور وہ غذا کے لئے اپنا گوشت اور چادر کے لئے اپنا اُون ہمیں عطا کرتے ہیں۔

وہ باغبان ہیں، جو انگوروں کو نچوڑ کر شراب بناتے اور اُسے جما کر شیرہ تیار کرتے ہیں۔

وہ باپ ہیں، جو تُوت کے درختوں کی آب یاری کرتے ہیں۔ اور

مائیں ہیں، جو ریشم کاتتی ہیں۔

وہ شوہر ہیں، جو کھیتی باڑی کرتے ہیں، اور بیویاں ہیں، جو غلّے کے گٹھڑ اپنے سروں پہ لاد کرلے جاتی ہیں۔

وہ معمار ہیں، کمہار ہیں، جولاہے ہیں، گھنٹیاں اور ناقوس بنانے والے لوہار ہیں۔

وہ شاعر ہیں، جو اپنی روحوں کو نئے پیمانوں میں ڈھالتے ہیں ——
وہ فطری شاعر، جو شاعری کی نت نئی اصناف میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وہ لوگ ہیں، جو محض دلوں میں شجاعت اور بازوؤں میں توانائی لے کر لُبنان سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور جب واپس آتے ہیں تو زمین کی نعمتیں ان کی مٹھیوں میں ہوتی ہیں، اور پھولوں کے تاج ان کے سروں پہ۔

وہ حوصلہ مند ہیں، جو ہر جگہ اپنے ماحول پہ غالب آتے ہیں، اور جہاں بھی ہوں، دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

وہ عظمت مآب ہیں، جو جھونپڑوں میں پیدا ہوتے ہیں، اور علم کے فلک بوس ایوانوں میں مرتے ہیں

یہ ہیں لبنان کے جگر گوشے۔ یہ ہیں وہ چراغ، جنہیں ہوائیں نہیں

بجھاتیں۔ اور وہ ذائقہ، جسے زمانہ خراب نہیں کرتا۔ یہ ہیں وہ لوگ، جو ثابت قدمی کے ساتھ عقیقت، حُسن اور کمال کی طرف قدم زن ہوتے ہیں۔

---

اب بتاؤ کہ تمہارے لُبنان اور اس کے فرزندوں میں سے ایک صدی کے بعد کیا باقی رہے گا؟ مجھے بتاؤ! سوائے جھوٹے دعووں، بے اصل باتوں اور جہالت و کند ذہنی کے، کل کے لیئے تم کیا چھوڑو گے؟

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ زمانہ مکر و فریب، چاپلوسی اور رہا نقا چھانیٹ کے مظاہر کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھتا ہے؟

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ایتھر اپنی جیب میں موت کی پرچھائیاں اور قبروں کے انفاس جمع کرتا ہے؟ کیا تمہارا وہم یہ ہے کہ زندگی اپنے برہنہ جسم کو بوسیدہ چیتھڑوں سے ڈھانپتی ہے؟

میں تم سے کہتا ہوں اور حق میری بات کا گواہ ہے کہ زیتون کا پودا جسے دیہاتی لُبنان کے دامن میں بوتا ہے، تمہارے سارے اعمال اور ان کے تمام نتائج سے زیادہ پائیدار ہے۔ اور وہ چوبی ہل، جسے بچھڑے لُبنان کی وادیوں میں گھسیٹتے ہیں، تمہاری تمام امیدوں اور آرزوؤں سے

زیادہ محترم اور برگزیدہ ہے۔

میں تم سے کہتا ہوں اور ضمیرِ وجود میری بات سُن رہا ہے کہ لُبنان کی پہاڑیوں میں ترکاریاں جمع کرنے والی کے گیت اس تمام ہفوات سے زیادہ عمر رکھتے ہیں، جو تمہارے سب سے بڑے اور سب سے معزز بکواسی کی زبان سے نکلتی ہے۔

میں تم سے کہتا ہوں کہ تم کوئی چیز نہیں۔ اور اگر تم جانتے کہ تم کوئی چیز نہیں، تو میری تم سے نفرت ایک طرح کی ہمدردی و دل سوزی سے بدل جاتی۔ لیکن تم نہیں جانتے۔

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے اور میرے لئے میرا لُبنان!

تمہارے لئے تمہارا لُبنان ہے اور اس کے فرزند ہیں تم اپنے لُبنان اور اس کے فرزندوں پہ قناعت کرو۔ اگر تم خالی بُلبلوں پہ قناعت کر سکتے ہو۔ لیکن میں اپنے لُبنان اور اس کے جگر گوشوں پہ قانع ہوں، اور میری قناعت میں حلاوت، سکون اور اطمینان ہے۔

---